۴۸۶

وَمَن يُرِدِ اللّٰهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ

اسلام اور سوشل ریفارم

یعنی

مصر کے نامور مصنف محمد رفیق بک العظم کے عربی رسالہ

تنبیہ الافہام الی مطالب الحیاۃ الاجتماعیۃ والاسلام

کا

اردو ترجمہ

جس میں تمدنی زندگی کے اغراض کی وہ تعلیم جو اسلام نے دی ہے اسکا علمائے یورپ کے عقاید اور خیالات سے مقابلہ کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام سے بڑھکر معتدل اور ضرورت تمدن کی کفیل تعلیم کسی مذہب و شریعت نے آجتک دی ہی نہیں اور نہ دیسکیگا۔

کارپردازوں کے حسن اہتمام سے

مطبع جنرل انگلش ایجنسی امرتسر میں چھپا

قیمت فی جلد ---------- ۸/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مذہب اسلام

اور

یورپ کے سوشلسٹ فرقہ کے مذہب کا باہمی مقابلہ

انسانی معاشرت اور سوسائٹی جسقدر محدود اور سادہ ہو اسی مناسبت سے اسکی ضروریات زندگی بھی کم ہوتی ہیں۔ پھر بتدریج سوسائٹی کے دائرہ میں وسعت اور تمدن میں اضافہ ہونیکے ساتھ ساتھ وہ ضرورتیں بھی بڑھتے بڑھتے پایہ کمال تک پہونچ جاتی ہیں۔ تہذیب و تمدن کا عروج انسان کے دل میں لطف زندگی اُٹھانیکا ولولہ پیدا کرتا ہے جسکی تحریک سے منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے مختلف راستے اور نئی نئی تدبیریں سوچی جاتی ہیں۔ یہ متعدد راستے بظاہر ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ انپر چلنے سے بلا خرخشہ مرکز وصول تک پہونچ جانیکا خیال کیا جاسکے مگر فی الواقع وہ خیال تصور بالمحل اور ایک ذہنی منصوبہ سے زیادہ وقیع نہیں ہوتا۔ تہذیب و تمدن کے دور میں مسرت آمیز زندگی بسر کرنیکی حاجتیں اسقدر بڑھ جاتی ہیں جنکو ہر ایک طبقہ کے عام اشخاص بہم نہیں پہونچا سکتے اگرچہ آپس میں ہر ایک دوسرے کو پیچھے ڈالکر آگے بڑھنے اور منزل پر پہونچ جانیکی کوشش میں کمی نہیں کرتا لیکن یہ کشمکش اور بھی رکاوٹیں پیدا کر دیتی ہے اور ادنی طبقہ کے لوگوں کو بجائے خوشحالی کی زندگی بسر کرنیکے نکبت و ادبار کی زندگی سے سابقہ پڑتا ہے۔ کیونکہ انہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مصر کے نامور فاضل اور مؤرخ اسلام "عاظم زادہ محمد رفیق بک" نے پانچ مضامین "مطالب الحیات الاجتماعیۃ والاسلام" کے عنوان سے اخبار "الموسوعات" مین تحریر کئے تھے جنہین بعد مین چار اور مضامین کے اضافہ سے مکمل کر کے علیحدہ ایک رسالہ کی صورت مین شایع کیا ہے۔ پہلے پانچ نمبرون مین مذہب اسلام کی چند ایسی فضیلتون کا ذکر ہے جنپر عمل کرنیکی وجہ سے مسلمانونکا قدم ایک مدت تک میدان ترقی مین آگے ہی بڑہتا چلا گیا۔ اور بعد کے چار نمبرون مین اون اسباب کا ذکر ہے جو اہل اسلام کے انحطاط اور تنزل کے موجب ہین۔ مؤلف نے جس خوش اسلوبی کے ساتھہ اسلامی تعلیمات کا موجودہ یورپین علما اور فلاسفرون کے اقوال سے مقابلہ کر کے اول الذکر کی مزیت ثابت کی ہے یہہ اُنہین کا حق تھا۔ اور افسوس ہوتا اگر ایسے پاکیزہ خیالات ہمارے ابنائے قوم و ملک کے مطالعہ مین نہ گذرتے۔ اسلئے مین نے خدمت قوم سمجھکر اس رسالہ کا اردو مین ترجمہ کرا دیا ہے۔ امید ہے کہ برادران اسلام اسکے مطالعہ سے فوائد دارین حاصل کرینگے۔

عمداً بعض مقامات پر اصل کتاب کے مضمون کو مختصر اور کہین کہین حسب موقع مفصل بہی کر دیا ہے جسکی وجہ ملکی حالتون کا لحاظ ہے۔ رسالہ کا نام بہی اردو مناسبت سے "اسلام اور سوشل ریفارم" رکہا گیا۔ واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

شیخ غلام محمد سپرنٹنڈنٹ روز بازار پریس امرتسر۔

۳ نہلزم | دوسرا فرقہ بغاوت انگیز خیال والون کا انارکسٹ ہے۔ انکے خیالات بھی سوشلسٹ لوگون سے ملتے ہوئے ہین مگر فرق اسقدر ہے کہ سوشلسٹ معقول سببکے ساتھہ اپنا مدعا حاصل کرنیکی سعی کرتے ہین۔ اور انارکسٹ نائیلی سپرسون جانیکی فکر مین رہتے ہین یعنے وہ عام شورشر برپا کرکے حکومتکے نظام کو ایکدم الٹ دینے کی سعی کرتے ہین۔

۴ انارکسٹ | تیسرا فرقہ عدمی ہے۔ انکی رائے مین دنیا کی تمام چیزین نیست ہونیوالی ہین لہذا جبتک یہ سب فنا نہ ہوجائین سعادت کا حصول ناممکن ہے۔

چینی خیال کا فرقہ | چوتھا گروہ دینی خیال والون کا یہ تصور کرتا ہے کہ اخلاقی دباؤ سے محرومی کی قناعت کرکے رضا اور تسلیم کی خو کے ساتھہ خودغرضی اور نفس پرستی کے جذبات کا پاکیزہ تربیت کے ذریعہ سے مٹانا اطمینان کی زندگی بسر کرنیکا وسیلہ ہے۔ مگر شاید اس سے ان لوگون کی مراد روحانی زندگی کی مسرت ہے۔

سلف کونفیڈنشل | پانچوین جماعت کے لوگ خیال کرتے ہین کہ خوشحالی اور لطف زندگی کا تعلق محنت اور کاروبار مین مصروف رہنے سے ہے۔ ہر ایک فرد فی نفسہ کام کرنیکی قدرت رکھتا ہے۔ مگر اسی حقیقت جبکہ اسے اپنی اس قوت کا خود علم بھی حاصل ہو اور وہ سلف ہلپ یعنے اعتماد بر نفس کے اصول پر تربیت پایا ہوا ہو۔ اگر ادنی طبقہ کے لوگون کو اس قسم کی تربیت ملیگی تو وہ کوشش و محنت سے لطف زندگی حاصل کرسکینگے۔ اور اگرچہ کم سہی پھر بھی اعلی طبقہ والون کے مقابلہ مین انکو اسقدر آرام سے زندگی بسر کرنیکا موقع ملیگا جو انکے حق مین اکسیر سے کم نہین۔

یہ پانچ فرقون نے مسائل اجتماعیہ کے حل کرنے مین جو اصول اور رائین قائم کی ہین وہ اجمالی طور پر ٹھیک ٹھیک ہم نے یہان بیان کردین۔ ممکن ہے کہ انکے علاوہ کچھ مختلف خیالات کے ساتھہ اور خیالونکے پابند لوگ بھی آئندہ نکلین۔ مگر اسوقت یورپ مین سوشلسٹ جماعت کا حلقہ بہت زیادہ رائج اور موثر ہے جسکا اصلی مدعا موجودہ اجتماع کو مٹا کر انسانی ترقیون کا ایک نیا دور قائم کرنا ہے۔

دنیا وی ترقیون کے راستون پر چلتے ہوئے دوسرے رہروون سے جو دولت اور سوسائٹی کی قوت بہی رکہتے ہین کلہ بکلہ مقابلہ کرنیکی طاقت نہین ہوتی اور وہ لامحالہ پیچہے رہجاتے ہین۔ اسصورت مین بڑے لوگ چہوٹون کو اور زور آور کمزورونکو دبانے مین احکام عدل کی پروا نہین کرتے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی کے نظام کی صورت بگڑجاتی ہے اور تمدن مین ایک تہلکہ مچ جاتا ہے۔

آجکل یہ پیچیدہ مسئلہ یورپ مین ایک سخت آفت برپا کر رہا ہے۔ علمائے تمدن نے اسکا نام سوشیل کوسچن (مسئلہ اجتماع) یا مزدورونکی مصیبت کا مسئلہ رکھا ہے اور اسی کی گتھی سلجہانیکے واسطے وہان لوگون کی مختلف پارٹیان قائم ہوگئی ہین جنمین سے ہر ایک دوسرے گروہ کے برعکس کام کر رہا ہے۔

سوشیل ایزم | ایک فریق جو سوشلسٹ کے لقب سے مشہور ہے اس مصیبت کا سبب اُن دولتمند لوگون کی ذات قرار دیتا ہے جو غریبونکی گاڑہی کمائی سے حاصل کی ہوئی دولت پر مار گنج بنکر بیٹہے ہوئے ہین اور مال وزر سے خزانے بہرنے جاتے ہین حالانکہ وہ مال تمدنی سوسائٹی کے تمام افراد پر مساوی طور سے تقسیم ہونا چاہیئے۔

سوشلسٹ گروہ اس مسئلہ اجتماعیہ کو یون حل کرنا چاہتا ہے کہ ادنی درجہ کے لوگون مین اپنے خیالات کی تعلیم شایع کرکے عام رائے کا اندازہ معلوم کرے کیونکہ زیادہ تعداد ملکی باشندونکی یہی غریب مزدوری پیشہ اور کسان ہوتے ہین پہر جب انکی اتفاق رائے سے قوت حاصل ہوجائے تو عام رائے کی کثرت سے ایک نئی حکومت قائم کردیجائے جسمین عام فوائد کا خیال رہے ہو اور عام دولت کا منافع سب لوگونپر برابر تقسیم کردیا جائے۔ اسبارہ مین سوشلسٹ سرغناؤن کے جو خیالات اور منصوبے ہین انکو معلوم کرکے بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ اور سمجہہ مین نہین آتا کہ اس نامعلوم راستہ سے وہ کیونکر اس موہوم مسرت تک پہونچ سکینگے جسکے واسطے اُنہون نے اپنی زندگی وقف کردی ہے۔

انہین عام خوشحالی مین حصہ لینے کے قابل بنا دین۔ اسی بحث ومباحثہ مین خیالات اور آرار کے اختلاف نے انہین مختلف فرقون مین منقسم کردیا۔ اور بعد ہزار ہا بصرہ اگر انہون نے کوئی عمدہ اصول قائم بہی کیا ہے تو وہ یہی اصول ہین جنسے زیادہ ارفع واعلیٰ اصول مذہب اسلام نے اسے تیرہ سو برس پہلے دنیا کے روبرو پیش کردیئے ہین۔ کیونکہ یہ وہ دین آلہی ہے جس نے ہر ایک مقصد ومطلب کی ایسی معتدل حد مقرر کردی ہے جو سعادت کی انتہا ہے اور اس سے بڑہکر کوئی فلسفی یا عالم کسی اصول کو مقرر نہین کرسکتا۔ اور اسلام کے موافق عقل وتمدن اور انسانی سعادت کا متکفل ہونیکی اصلی وجہ یہی ہے۔

ہم اس مقام پر دکھانا چاہتے ہین کہ اسلام کے مجموعہ ہدایت وتعلیم نے اس بارہ مین ہمیں کیا کیا ہدایتین فرمائی ہین اور یورپ کے اُن علما کے مقابلہ مین جو اجتماعی زندگی کی مشکلات کو رفع کرنیکے لئے بہت سے اصول قائم کررہے ہین اس دین قویم مین خوشحالی کے کیا اقسام قرار دیئے گئے ہین اور انہین مقاصد زندگی کے ساتہہ کسطرح وابستہ کیا ہے۔ مگر ہم پہلے اس بحث کو مطلب اشتراک (سوشلزم) سے آغاز کرینگے۔ جسکو موجودہ ممالک متمدنہ یورپ مین زیادہ اشاعت حاصل ہے اور اسکے بعد ان بقیہ مطالب کے مقابلہ کی کوشش کرینگے جو علمائے یورپ کے یہان متداول ہین یا جو ہنوز زیر بحث نہین آئے۔

سوشلسٹ جماعت کے مذہب کا ماحصل ہم اوپر بیان کرآئے ہین کہ انکے خیال مین جو مصیبت یورپ کی سوسائٹی مین اسوقت خلل انداز ہے اسکے مصدر وہ مالدار لوگ ہین جو عام دولت کو لپنے خزانون مین بہر کر زندگی کے مزے لوٹتے ہین۔ حالانکہ وہ مال غریب مزدورونکی گاڑہی کمائی کا ثمرہ ہے اسلئے یہ مصیبت جبہی دور ہوسکیگی جبکہ کام اور اسکے منافع حکومت کے ہاتہون عام افراد ملک وملت پر بحصہ مساوی تقسیم کردیئے جائین۔ اسصورت مین ہر شخص خوشحال وفارغ البال ہوجائیگا۔ اس تقسیم کے جو راستے انہون نے سوچے ہین وہ بالکل ناقابل عمل ہین اور جو مذہب انہون نے اختیار کئے ہین عقل سلیم کے نزدیک انکے تسلیم کرنے سے

اس مقدمہ کے پیش کرنے سے ہمارا یہ مقصود نہیں کہ مذکورہ بالا مذاہب کی غلطی اور صحت
پر رائے زنی کریں یا انہیں اصولاً ایک سان قرار دیں۔ کیونکہ مدنی زندگی کی ضروریتیں بے شمار
ہیں اور غلطی و صحت انسان کے ساتھہ لازم و ملزوم۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ متمدن دنیا میں اعلیٰ
ترقی کے نتائج کی بابت خیالات میں جو الجھن پیدا ہوگئی ہے اسکو دور کرنیکی کوشش کریں۔
اور زمانہ حال کے دانشمند اشخاص جن مطالب کو باہم موافق بنانے اور حد اعتدال پر لانیکے لئے
چکر کھا رہے ہیں انہیں حتی المقدور صاف کر دیں۔ سوشلسٹ جماعت کی خواہش پر پوری طرح
عمل کرنا ویسا ہی محال ہے جسطرح تمام انسانوں کا دنیا کو ترک کر دینا۔ اور تزکیہ نفس پر قانع ہوکر
لذائذ زندگی سے ہاتھہ دہو لینا قطعی ناممکن ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ہر ایک مدعا کی کوئی ایسی حد
مقرر کر دیجائے جس سے وہ بغیر دوسرونکے مقاصد و اغراض کو کچھ صدمہ پہونچائے یا دوسرونکو
نیچا دکھا کر خود بازی لیجانیکے خیال کے لوگون کو منزل مقصود تک پہونچا دینے کے قابل ہوسکے۔
انسان کی کمزوری اور اسکے اکثر اوقات اپنی نفسانی خواہشوں سے مغلوب ہوجانیکی سب سے
بڑی دلیل یہ ہے کہ اس انسانی ترقی کے زمانہ میں بھی بڑے بڑے فلاسفر اور دانشمند اشخاص
اس معاشرتی ضرورت کی حقیقت دریافت کرنے میں چکر رہے ہیں جو سوشیل کوسچن
(مسئلہ حیات اجتماعیہ) اور تمدنی ضرورتوں کے مابین موافقت پیدا کر دے اور ظاہری و
باطنی دونوں قسم کی مسرتوں سے انسان کو بہرہ ور ہونیکا موقع دے۔ انمیں سے ہر ایک
فریق اپنی اپنی پارٹیاں قائم کر رہا ہے اور اپنے خیال میں خوشی اور اطمینان کو ایک خاص مطلب کے
ساتھہ وابستہ کرکے دوسرونکی اختلاف رائے سے کوئی غرض نہیں رکھتا حالانکہ یہ امر اگر حاصل ہوسکتا
ہے تو صرف سرچشمۂ وحی و الہام کی تعلیم سے۔ کیونکہ صرف وہی قانون جو منزل من اللہ ہے۔
صوری اور معنوی دونوں زندگیون کی خوشحالی کا کفیل ہے۔
یورپ کے علمائے تمدن اور فلاسفر مسئلہ اجتماعیہ کے حل کرنے میں مصروف اور اس فکر میں منہمک
پائے جاتے ہیں کہ مزدوری اور محنت کرنیوالے ادنیٰ طبقہ کے لوگون کو قید مصیبت سے آزاد کریں اور

لہذا ان احکام میں نقص وارد ہوتا ہے جو ایک ناممکن امر ہے۔

اسلام نے ان اعلیٰ مبادی کی رعایت کے ساتھ ہی اسبات کا بھی خیال کیا ہے کہ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو اعلیٰ طبقہ کے افراد کی ہمسری کرنے میں عجز و بیچارگی لاحق ہونی لازم ہے کیونکہ متمول لوگ بکثرت دولت جمع کرینگے اور غربا فاقہ کشی کے ہاتھوں جان سے تنگ آجائینگے اسلئے اس نے ہر ایک ایسی ملکیت کے لئے جو منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کی قسم سے مالداروں کے قبضہ میں پائی جاتی ہو ایک تو اصل قرار دی ہے جو مالک کا حق ہے اور اسمیں کسی دوسرے کی شرکت ناممکن ہے اور دوسرے اسکا ایک نتیجہ قرار دیا ہے جسمیں اُس مالک اور تمام مسلمانوں کی شرکت ہے یعنے اصل مالک پر منافع کی ایک مقدار اسلئے ادا کرنی ضروری ہے کہ اس سے دوسرے حاجتمند اور مسلمان بھی فائدہ اُٹھائیں خواہ وہ آمدنی اُنپر بحصہ رسدی تقسیم کیجائے یا انکے عام فائدہ کی صورتیں اس سے نکالی جائیں جسکی ایک راہ یہ بھی ہے کہ محتاج و غریب لوگونکی پرورش ہو۔ یہ حکم خداوند پاک کے قول

مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ط	خدا نے اپنے رسول کو اہل دیہات سے جو مال فیٔ دلایا وہ خدا۔ رسول۔ قریبی رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں سب کے لیئے ہے تاکہ وہ مال تمہارے دولتمند لوگوں ہی کے لئے سرمایہ خاص نہ بنجائے۔

سے ماخوذ ہے تاکہ مال فیٔ خاصکر متمول لوگوں ہی کا حق نہ ہوجائے جسکو جمع کرکے وہ لوگ مالدار نبیں۔ فقیروں کو ہو کا ماریں۔ جیساکہ تفسیر کی کتابوں میں وارد ہے۔ اور اسکا ماخذ خداوند کریم کا یہ قول ہے۔

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ط	یعنے انکے مالوں میں محتاجوں اور تنگدستوں کیلئے بھی ایک مقررہ حق ہے۔

کاروبار کی حرکت ہی رک جائیگی، کیونکہ جبتک تمام افراد ملک، دولتمند اور تمام دولتمند کاروباری بھی نہون اُنکے اصول فروغ نہین پا سکتے۔

اسلام نے اس مطلب کے لئے جو قانون نافذ کیا ہے وہ دونو طبقہ کی مصیبت دور کرنیکے ساتھ عمل کے استقلال مین کوئی نقص نہین پیدا کرتا۔ کیونکہ وہ کاروبار کو ہر انسان کا ذاتی راس المال قرار دیتا ہے اور اُسکو انفرادی سعادت کا ایسا ذریعہ سمجھتا ہے جس سے ہر فرد بقدر اپنی کوشش و محنت کے بذات خاص فائدہ اُٹھا سکے ورنہ اگر جاہل و عالم اور کاہل و مستعد دونو قسم کے لوگ کاروبار کا نفع حاصل کرنیمین برابر کر دیئے جائین تو معنوی ترقی کا نشان ہی مٹ جائے اور شخص کے دل پر اس خیال سے پژمردگی چھا جائے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے دوسرون کے واسطے کر رہا ہے اور اسکے لگائے ہوئے درخت سے دوسرے لوگ پھل کھائینگے اسلئے وہ ایسا کام کیون کرے جسکا فائدہ دوسرونکو حاصل ہو اور اسکے حصے مین بجز یاس و ناامیدی اور کچھ بھی نہ آئے؟ اس اصول مین ایک اور بھی خرابی ہے کہ عالم ہستی کے قواعد مین خلل پڑتا ہے، اور جس سے غرض یہ تھی کہ زندگی کے فرائض مین جو انسانوں پر اُنکے علم و جہل کے تفاوت مراتب کے اعتبار سے تقسیم ہوئے ہین اُنسے حرکت عمل مین ایکطرح کی خرابی اور رکاوٹ پڑ جائیگی۔ چنانچہ انہی تفاوت مراتب کے اعتبارات کو قرآن مجید مین یون بیان کیا گیا ہے:-

آیت	ترجمہ
۱۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ	یعنی خدا تم مین سے ایمانداروں اور علم والوں کو کئی درجہ بلند کر دیتا ہے۔
۲۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط	کیا جاننے والے اور انجان دونون برابر ہو سکتے ہین۔
۳۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔	انسان کو صرف اسکی کوشش کا ثمرہ ملتا ہے۔

بڑے پرہیزگار اور مسلمانون کے بڑے ہمدرد تھے اُنسے کسیطرح نہین دیکھا گیا کہ عام اہل اسلام
کے حقوق یون پامال ہون اورانہون نے اسی خیال سے معاویہؓ کی حکومت کا کچھ پاس نہ کیا۔ بلکہ
عام مسلمانون کے سامنے برملا اسکے متعلق اعتراض کرنا شروع کئے۔ اور بہت سے لوگون کو اپنا
ہمخیال بنالیا۔ معاویہؓ سے مطالبہ شروع کردیا کہ وہ سب مال مسلمانونپر تقسیم کردین اسکی کوئی حاجت
نہین ہے کہ روپیہ خزانہ مین جمع رکھا جائے۔ کیونکہ مال فی مین سب مسلمانون کا حق مشترک ہے۔
اس جماعت کا جوش حد سے بڑھتے دیکھکر معاویہؓ نے خیال کیا کہ کہین ملک مین بغاوت نہ ہوجائے
اسلئے اُنہون نے خلیفہ عثمانؓ سے ابوذرؓ کی شکایت کی اور خلیفہ موصوف نے بدامنی ہوجانیکے
خوف سے اُنہین ربذہ کیطرف جلاوطن کردیا۔

اسلام نے مال فی کو راس المال کا ثمرہ قرار دیا ہے جسکی بنیاد ثروت اور ملک ہے۔ اور
ملک کو ملک کیلئے باقی رکھنا ضروری ہے۔ ہان اسکے ثمرہ سے مشترک طور پر نفع حاصل کرنا
قابل اعتراض نہین ہوسکتا۔ باقی رہی یہ بات کہ بعض مسلمان امامون نے اس آمدنی کا حفاظت
سرحد۔ تعمیر قلعہ جات اور لنگرخانون یا مدارس کے قیام مین صرف کیا جانا بھی چند آثار واخبار کے
استدلال سے ضروری قرار دے کر اس سابقہ مصلحت کو مٹا دیا ہے لیکن اس سے ابوذرؓ
کے ہمخیال لوگون کو کوئی رکاوٹ نہین پیش آتی۔ کیونکہ جبتک شرعی مالی آمدنی کے اسباب زکوٰۃ
عشر اور خراج کے علاوہ جنکا مصرف عام مسلمانون کی ضرورتین ہین دیگر اقسام کی آمدنیان
بھی پائی جاتی ہین۔ جنسے ملکی کاروبار اور انتظام سلطنت کے مصارف نکل سکین اُسوقت تک
خاص فی کی آمدنی مسلمانون کا مشترک حق قرار پاسکتی ہے۔ اور دوسری آمدنیان نہ بھی ہون
تاہم اس حکم کی فضیلت نہین مٹ سکتی جسکی ایک دوسری آیت مین بھی بوقت تاکید کیگئی ہے
وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ الآية۔

پس اس آیت کا حکم بھی اگلی آیت کے حکم کیطرح اسبات کا مقتضی ہے کہ
ثمرہ دولت تمام مسلمانون مین مشترک رہے۔ اور مالدارونکا طبقہ اس حکم کی تعمیل سے

شریعت اسلام کی کتابون مین پہلی آیت کا حکم بیان کرتے وقت اجمالی طور پر یہ بتایا گیا ہے
کہ فیٔ اُس مالی آمدنی کو کہتے ہین جو محارب (کفار) سے جنگ کئے بغیر خاتمہ اور اُس ملک کے دار الاسلام
ہوجانیکے بعد جزیہ عشر تجارت اور تاوان جنگ کے ذریعون سے حاصل ہو۔ اسکا حکم یہ ہے
کہ تمام مسلمانونکا حصہ اسمین مساوی ہے۔ ائمہ اور مفسرین نے اس حکم کی تشریح مین بہت کچھ
لکھا ہے جسے ہم بخوف طوالت یہان درج نہین کرسکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُنہون نے رسول پاک
صلے اللہ علیہ وسلم کے خمس مین اختلاف کیا ہے۔ کہ آیا وہ بھی عام مسلمانونپر تقسیم ہونا چاہیئے یا
خاص بنی ہاشم پر۔ یا اسکا اختیار خلفاء کو ہوگا کہ وہ اپنی حسب خواہش اسمین تصرف کرین۔ اکثر
علماء اسبات کے قائل ہین کہ خمس بھی عام مسلمانونپر تقسیم ہونا چاہیئے۔ جسکی دلیل رسول پاک
صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ صحیح حدیث ہے

مالی مما افاء اللہ علیکم الا الخمس	مال فیٔ مین سے میرا حصہ صرف ایک خمس ہے
والخمس مردود علیکم	اور وہ بھی تمہین لوگونپر واپس ہوگا۔

چنانچہ آپ اپنا خمس مسلمانون کی ضروریات پر صرف کیا کرتے تھے۔ علماء کا اسبارہ مین بھی
اختلاف ہے۔ کہ آیا فیٔ کا حصہ تمام مسلمانون کے واسطے بھی ہوگا یا صرف جہاد کرنیوالون کے لئے۔
اسکے متعلق صحیح طریقہ عمل خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مانا گیا ہے جو اسکو جملہ مسلمانون پر
مساوی تقسیم کرتے تھے لڑنے والون یا [illegible] نیوالون کا کوئی تفرقہ نہین تھا۔ اور ممکن ہے کہ
اُنہون نے یہ اعتبار اس لحاظ سے کیا ہو کہ جہاد تمام مسلمانونپر فرض ہے اسلئے سب
اسی حکم کے تحت مین داخل ہین۔ اسبات کی تائید کہ مال فیٔ عام مسلمانون کا حق ہے یون اور
بھی ہوتی ہے کہ جسوقت ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ ملک شام مین تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
اس ملک پر خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کیطرف سے عامل مقرر تھے تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے
معاویہ کو بیت المال مین روپیہ جمع کرتے دیکھکر یہ خیال کیا کہ وہ طمع کیوجہ سے ایسا کرتے ہین حالانکہ
چاہیے یہ تھا وہ روپیہ اُسے مسلمانون کی ضرورتون ہی کے لئے فراہم کرتے رہے ہون مگر چونکہ ابوذر رض

اسلام کی صحیح تعلیم

اور

اسکی پابندی کے نتائج

ہم اسبات کو بیان کر چکے ہین کہ مذہب اسلام نے عمل کو نتیجہ سے علیحدہ اور مستقل بالذات تسلیم کیا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس نے عمل کو ہر ایک انسان کا بلا شرکت غیرے اسکا ممتاز قرار دیا ہے۔ وہ ہر شخص کی سعادت کا مدار ہے اور جسقدر محنت و کوشش کیجائے اسی اندازہ سے اسکا ثمرہ حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ خداوند پاک کے کلام اَن لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی مین اسبات کی تصریح کر دیگئی ہے۔ ایک یقینی امر ہے کہ کوشش کا صحیح اور نتیجہ اسیوقت نکلیگا جبکہ کوشش کرنیوالا شخص انسان کامل صاحب عزم مستعد اور جفاکش ہو اور گو فطرت کے لحاظ سے انسان اس کمال کی استعداد رکھتا ہے لیکن ابتدائے عمر کی بری تربیت طبیعتوں پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور اسے نقصان کیطرف مائل کر دیتی ہے۔ ابتدائی تربیت کی خرابی نے اکثر قومون کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جو ایک قاتل دشمن بھی نہین کر سکتا۔ جسوقت مذہب اسلام کا ظہور ہوا اس زمانہ مین اس تربیت نے لوگون کی عقلون اور انکے خیالات پر اسقدر قابو کر رکھا تھا کہ انمین وہ عزم و ارادہ نام کے لئے بھی نہین تھا جو انہین زندگی کا اعلیٰ مقصد حاصل کرنیکی کوشش پر ابھار سکے اور عام ہمتون مین کمال انسانیت حاصل کرنیکے لئے نفسانی خواہشون کو جذبات کو دبانیکی روح پہونچ سکے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا یہ قول تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ صاف دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ ہدایت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب تھے انکی ظاہری اور باطنی دونون آنکھون پر ایسے جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے جو انہین مسائل

بچنے کی کوئی راہ نہین نکال سکتا۔ مگر یہ حکم اُس انتساب زکوٰۃ کے حکم سے دبا ہوا ہے جب کا ذکر کسی اور آیت مین آگیا ہے۔ [ٹ] ممکن ہے کہ اس موقعہ پر کوئی شخص یہ اعتراض کر بیٹھے کہ جب اسلام کے شرائع اور قوانین کا یہ مقتضی ہے جو تم نے بیان کیا۔ تو آج مسلمانون مین انکی پابندی کیون نہین دیکھی جاتی؟ ہم اسکا جواب یہ دینگے کہ ہماری گفتگو مذہب اسلام کے متعلق تہی نہ کہ مسلمانوں کے متعلق۔ اگر مسلمانون نے کسی مذہبی حکم سے خلاف ورزی کی ہے تو اسکا جرم انکے ذمہ رہا مذہب کو اس سے کیا واسطہ۔

غرضکہ عقل کی رسائی مین سب سے بڑھکر اور حد درجہ کی لپٹ یہ بات یہی ہے کہ کام کو مستقلاً قرار دے کر اُسکے ثمرہ کا تمام افراد مین مشترک ہونا تسلیم کیا جائے۔ اس سے وہ قانون بھی شکست نہین ہوسکیگا جو علم و عمل کے میدان مین بقدر ہمت فضیلت حاصل کرنیکے متعلق ہے اور تمام انسان اس قرارداد سے ایکسان خوشحالی حاصل کرسکتے ہین۔ اہل یورپ کا ادنی طبقہ اس پاکیزہ اصول کی پابندی کرکے قید مصیبت سے بالکل آزاد ہو جائیگا۔ اور اشتراکی جماعت جو اس زمانہ مین بہت ترقی کر رہی ہے اُسکے مقاصد بھی اس قانون اسلام سے بخوبی حاصل ہوسکینگے ورنہ انکا یہ خیال کہ عمل ہی کو راس المال اور عام ثروت کی اصل قرار دے کر اسی مین حق اشتراک کا فتویٰ صادر کرنا چاہیئے۔ ایک ایسا حماقت آمیز اور باطل خیال ہے جسکے تسلیم کرنے سے طبیعی اصول اجتماع کا مقابلہ کرنا اور تمدن کا خون کر ڈالنا مقصود ہو تو کیا مضائقہ ہے ورنہ در اصل یہ طریقہ انسانونکی مسرت اندوزی کا نہین بلکہ انکی عافیت سوزی کا ڈہنگ ہے۔

⁂

[ٹ] زکوٰۃ اسلام کے پانچ رکنون مین سے ایک اہم رکن ہے ابوبکرؓ نے اسکے لئے اہل ردہ سے جنگ کی انہون نے زکوٰۃ کے منکر ہونیکی وجہ سے صحابہ نے ان مسلمانون کو مرتد سمجھا کیونکہ انہون نے دین اسلام کا ایک رکن ترک کردیا تہا مگر افسوس ہے کہ آجکل مسلمانون نے اس رکن کو بالکل ہی مٹا دیا ہے۔ گو بعض مین فرض شناس علماء نے طبع زمین آکر یہ حیلہ شرعی تراش دیا ہے کہ سال پورا ہونے سے قبل اپنی دولت دوسرے کو ہبہ کر دینا تو زکوٰۃ کی بچت نکل آئیگی اور پہر اُس سے واپس نام ہبہ کرالینگے تو وہ شخص بھی زکوٰۃ سے بچ رہیگا لیکن یہ حیلہ سے بچنا ہر جابر اور فاسق کیلئے کیونکہ ہمین ایک رکن اسلام ترک کرنیکا گناہ پڑیگا اور ہی سے فریب کیلئے کا گناہ بھی شامل ہوکر اس جرم کو شدید سنگین بنا دیتا ہے۔

من طلب الرزق علی ما سن فھو فی جھاد	جو شخص مناسب اور حلال طریقون سے روزی کمانیکی کوشش کر رہا ہو وہ بھی جہاد مین معروف ہے۔

ہمارے بیان کی بخوبی تائید ہوتی ہے۔ خاصکر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ دینی ہدایات پر سچا ایمان رکھنے والون اُنپر عمل کرنیوالون اور اُن لوگون کے واسطے جو دنیاوی اور اُخروی کاربار مین احکام باری کی پابندی کا خیال رکہتے ہین اللہ پاک نے اسبات کا وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہین زمین مین اپنا خلیفہ بنائیگا۔ جیسا کہ ارشاد کرتا ہے۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض۔

عقل کہتی ہے کہ استخلاف فی الارض کے یہ معنی ہین کہ انسان کو دیگر مخلوقات کے سوا عام حکومت اور کامل اقتدار عطا کیا جائے جسکے ذریعہ سے وہ تمام موجودات عالم پر حکمرانی کر سکے اور ہر چیز سے نفع اُٹھا سکے اور اسکے اختیارات کی کوئی حد معین نہ ہو۔ یہ افسری اور عام حکومت بغیر تکمیل ایمان کے نہین حاصل ہو سکتی اور تکمیل ایمان اسکا نام ہے کہ اُن احکام الٰہی کی تعمیل کیجائے جو اس نے مخلوقات کے لئے وضع فرمائے ہین اور اس راہ سے سعادت حاصل کرنے اور منزل حق تک پہونچنے کے لئے کوشش کیجائے۔ ارشاد خداوندی اور ہدایت نبوی کے موافق ہر شخص کو یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات مین ایسی قوت ارادہ رکہتا ہے جو اُسے کام کرنے پر قادر بناتی ہے تاکہ محنت اور کوشش کے وسیلہ سے وہ اپنی پریشانی اور مصیبت کے اسباب دور کر سکے اور عقل کی مشعل ہاتھہ مین لے کر خوشحالی کی راہ پر چل سکے۔ مگر یہ معلومات اُسوقت تک حاصل اور ذہن نشین نہین ہوتی جبتک انسان کی قوت ارادی بیجا توہمات کی زنجیرون سے آزاد نہ ہو اور نادانی اور اندہی تقلید کی بندشین انسانی افہام سے دور نہ کیجائین اسبات کے حصول سے انسانی فکر کو جولانی دکھانیکا موقع ملیگا۔ وہ اپنی ہمت کا سبک خیز گھوڑا دوڑا سکیگا اور اسکی عقل و ادراک مین وسعت پیدا ہوگی۔ اُسوقت ہر شخص یہ سمجھہ سکیگا کہ جو کچھہ وہ کر رہا ہے

زندگی کا علم حاصل کرنے سے اور انکے دلون مین کمال انسانیت کیطرف مائل ہونیکا ارادہ کرنے سے
باز رکھتے تھے۔

انسانی عقول اور افکار پر جن جہالتون کے پردے پڑے ہوئے تھے مذہب اسلام نے انہین
اٹھانیکے واسطے دنیا کو یہ تعلیم دی کہ انسان کے نفع اٹھانیکے لئے تمام عالم کی چیزین اسکے قابو مین
دیدی گئی ہین۔ بشرطیکہ وہ انکے راز معلوم کرنے مین غور و فکر سے کام لے اور ہمت و ارادہ کا استعمال
کرے۔ خدا نے اپنی اس مخلوق (انسان) کو ایسی قوت عطا فرمائی ہے جس سے وہ تمام موجودات
کو مسخر بنا کر انہین حسب مقتضائے عقل اپنے استعمال مین لا سکتا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ و
تعالی ارشاد فرماتا ہے وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ٥ اور یہ بات جتانیکے واسطے کہ گو جناب باریتعالی خزائن
رزق اپنے قبضۂ قدرت مین رکھتا ہے تاہم اس نے اسباب معاش یعنے کاروبار اور دستکاریون کو
تمام مخلوقات مین تقسیم کر دیا ہے تاکہ وہ وسیلۂ روزی بنین۔ اسکا بیان یون فرمایا ہے نَحْنُ
قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (ہم نے انکی بسر اوقات کی صورتین اسی دنیاوی
زندگی مین انپر بانٹ دی ہین) پھر اسبات کی تشریح کے لئے کہ ان اسباب معیشت سے تحصیل رزق
کرنے مین ہر شخص اسیقدر حصہ پاسکیگا جتنی وہ محنت و مشقت کریگا۔ یون ارشاد ہوتا ہے۔
وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ اور چونکہ اچھی باتون مین پوری طرح کوشش کرنا مشکل اور
دقت طلب تھا اسلئے اہل ایمان کو اکسانیکے واسطے فرمایا وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ
یعنے خدا کی راہ مین کوشش کا حق ادا کرو۔ وہ کوشش کیا ہے؟ اسکے احکام کی تعمیل اور
اسکی ممانعتون سے باز رہنے کی سعی گو اسمین انسان کو کتنی ہی دقت اور نفس پر بوجھ معلوم ہو
لیکن اسے ہر وقت اپنے فرائض ادا کرنے مین مستعد رہنا لازم ہے۔ احکام الٰہی کے موافق کوشش
کرنا بھی ایک قسم کا جہاد ہے کیونکہ سعادت زندگی کی منزل تک پہونچنے کے لئے راستہ مین بہت سی
رکاوٹون کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ:-

ایسی اور اسی قسم کی تعلیمات تہین جو اسلام نے دی ہین اور قرآن انسے بہرا ہوا ہے انسانی
طبائع مین ذاتی ہمت کی روح پہونکی گئی اور عربی قوم رفتہ رفتہ اعمال کے معنے سمجہنے لگی اسے
معلوم ہوا کہ آسمانی انعام نے اسکو ایک نئی زندگی عطا کی ہے اور وہ سامان اسکی نفوس مین
آگئی ہے جو اسے زندہ قوم بنانیوالی ہے۔ اس خیال کا دل مین جمنا تہا کہ وہ لباس ایمان سے
ملبوس ہو کر نور قرآنی سے منور اور تعصب اور تقلید کی تاریک گود سے نکلکر اعتماد علی النفس اور
محنت اور کام کرنیکی وسیع میدان مین اپنی جولانیان دکھانے لگی۔ خدا نے بہی اپنا وعدہ پورا
کیا اور ایماندار بندون کو زمین مین اپنا نائب بنایا۔ پہر تو مسلمانون نے پہاڑی سیلاب کیطرح
جو وادی کی خس و خاشاک کو دہو ڈالتا ہے صفحہ زمین کو باطل کی آلائشون سے پاک بنا دیا۔
صدہا ممالک فتح کیے۔ نوآبادیان قائم کین۔ تجارت اور علم و ہنر کے میدان مین اقوام عالم سے گوئے
سبقت لیگئے۔ خود بہی نفع کمایا اور دوسرونکو بہی فائدہ پہونچایا۔ اطراف عالم مین دین مبین
کی روشنی پہیلا دی اور اقوام عالم کے سرتاج بنگئے۔ ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ۔ جزائر غرب الہند
اور جزائر اوقیانوس مین انکے جو آثار موجود ہین وہ اسبات کی سچی شہادت پیش کر رہے ہین
کہ پابندان اسلام مین ذاتی ہمت اور قوت ارادہ حد کمال کو پہونچی ہوئی تہی۔ وہ دور دراز
ملکون کا سفر کرنے۔ نوآبادیان قائم کرنے۔ اراضی نادرہ کا انکشاف کرنے اور کاروبار تجارت کو
فروغ دینے کیواسطے ضرب المثل تہے۔ اسبارہ مین انکو اس زمانہ مین اسباب نقل و حرکت کی دشواریان
مانع آتی تہی اور نہ روئے زمین پر بسنے والی قومون مین جہل و وحشت کی وقت انہین اپنے ارادہ
باز رکہتی تہی۔ انکی تجارتی کشتیان (جہازات) مشرق مین بحر احمر اور مغرب مین اندلس کے
سواحل سے بحر اطلانتک اور بحر الکاہل تک سینہ تانے پہاڑتی ہوئی تمام کرۂ ارض کا چکر کاٹا
کرتی تہین۔ ایک مومن شخص کا قرار گاہ صرف وہ مقام ہوتا جہان اسکا سفر ختم ہو۔ اسکا وطن
ایمان تہا۔ اور لطف زندگی روئے زمین کا سفر۔ وہ بیکار رہکر زندگی بسر کرنے سے ننگ و
عار رکہتا تہا۔ یہانتک کہ اس مذہب کے سربرآوردہ لوگون کے ایسے حکیمانہ اقوال بےشمار

باختیار خود کر سکتا ہے اپنے عمل کا نیک و بد انجام اسی کو بھگتنا پڑیگا اسکی غلطیونکی پرسش دوسرون سے نہ ہوگی۔ نیک کام کریگا تو اپنے لئے اور خرابی کا مرتکب ہوگا تو وہ بھی اسیکے واسطے مضر ہوگی۔ جیسا کہ خالق عالم ارشاد کرتا ہے مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ظٰلِمِيْنَ ط
(ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا مگر وہ خود ہی بدکار تھے۔)

غرضکہ اسلام نے صاف طور پر بتادیا کہ انسان کی فکر اور اسکا ارادہ آزاد ہے اور اسی لحاظ سے اس نے صرف اچھے یا برے رستہ کی تشریح پر اکتفا کی ہے۔ قرآن کے صاف صاف عربی زبان میں ناطق ہونیکا بھی یہی منشا ہے کہ لوگ اسپر غور کریں اور سمجھیں کہ منشائے الٰہی کیا ہے اور انہیں اسکے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ ذیل میں ایسی چند آیتوں کا انتخاب درج کیا جاتا ہے جو اس مدعا کو بخوبی واضح کرینگی۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا	جو اچھا کام کریگا اسکو اس سے بہتر معاوضہ
وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ	ملیگا اور جو برا کام کریگا تو بدکارونکو انکے
عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ط	اعمال کا ویسا ہی بدلہ ملیگا۔
كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ط	ہر شخص اپنی کرتوت کا ذمہ دار خود ہے۔
كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ۔	ہر نفس اپنی کرنی بھریگا۔
اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ	ہم نے تمپر لوگون کے لئے سچی کتاب اتاری ہے
فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ	پھر جو سیدھے رستہ پر چلیگا وہ اپنا فائدہ کریگا
فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ	اور جو گمراہ ہوگا وہ اپنی خرابی کا بیج بوئیگا
بِوَكِيْلٍ ط	تم کچھ انکے ذمہ دار نہیں ہو۔
لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ط	تم انپر مختار نہیں کئے گئے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ	ایمان والو! تم اپنی خبر لو اگر تم سیدھی راہ پر ہو تو
لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ	کسیکی گمراہی تمہارے لئے کچھ بھی مضرت رسان نہیں۔

تربیت نے کیا کارگزاری دکھائی ہے۔ صاف عیاں ہوتا ہے کہ انکی تربیت میں افراط کا پہلو آجانے
سے انمین دیگر آباد ملکون سے منافع حاصل کرنیکی رغبت حد سے بڑھ گئی ہے اور وہ اس خواہش
کو پورا کرنے مین ماتحت قومون سے سخت ظالمانہ برتاؤ کرتے ہین مگر اسلام کی تعلیم مین ایسا
اعتدال ہے کہ مسلمانون کو انصاف کے ساتھہ دوسرون کے حقوق کا بھی لحاظ کرنا ضروری
بتایا گیا ہے۔ اور باہمی معاملات مین حد سے ڈر کر کام کرنے۔ ذلیل باتون سے کنارہ کش
ہونے۔ اور مغلوب قومون کے ساتھہ مہربانی آمیز سلوک کرکے اُنکے حقوق کو مساوات
کا درجہ دینے کی ہدایت کیگئی ہے۔

چونکہ بغیر اپنی نفسانی خواہشون کو دبانے اور کاروبار مین دوسرونکے حقوق پامال کرنے سے
محترز رہنے کے یہ اصول بخوبی عمل مین نہین آسکتا۔ اسلئے اسکو جہاد سے موسوم کرنا خلاف
عقل نہین۔ خاصکر جبکہ حصول رزق اور عمل کی کوشش کرنیوالے ارادونکی راہ مین جو رکاوٹیں
پیش آتی ہین وہ لوگون کو ایک دوسرے سے بقدر ہمت آگے بڑھنے اور بقدر کاہلی پیچھے رہجانیکا
موقع دیتی ہین۔ مگر اسمین چند افراد بعض مجبوریون سے بھی یقیناً پیچھے رہجاتے ہین۔ وہ
مجبوریان کبھی طبیعی ہوتی ہین جیسے قوت ارادہ یا عقل کی کمزوری اور گاہے عارضی جسطرح
مرض۔ یا دوسری حالت مین فی الاصل مجبوری نہین ہوتی لیکن اُسے مجبوری کے حکم مین رکھا
جاتا ہے۔ مثلاً خادمان دین یا ملک کی حفاظت وحمایت کرنیوالے اشخاص اپنی ڈیوٹی ادا
کرنے کی وجہ سے ذاتی کاروبار مین مصروف ہونیکو قابل نہین رہتے اسلئے ان افراد ملت کا خیال کرنا ضروری ہے
اور اسیواسطے اسلام نے اشتراک کے اصول سے مالی مین انکا حصہ مشترک کردیا مگر اس بات کو سلف کو نفید ٹنسل
کے اصول سے الگ کہنے کی وجہ سے نہین قرار دیا جیسا کہ آجکل سوشیل ریفارم کے مدعی کہتے اور کرتے ہین بلکہ اسکی قرار داد
کی اصلی غرض یہ ہے کہ کاروبار سے مجبوری علیحدہ رہنے والے افراد کیواسطے مالی کا حصہ ذریعۂ گذر اوقات بنے اور وہ بھی کل ساری
کیطرح آرام کی زندگی بسر کرسکنے کے قابل ہو۔ غرض غلط نہ یہ بات ہے کہ دین اسلام نے معاش اور اصول تمدن کی جدمتر کرنے مین
جس اعتدال سے کام لیا ہے وہ متمدن یورپ مین ممالک کے وہم وخیال مین بھی نہیں گذرا اور اگر مغربی اقوام اسکی تہ کو پہنچین تو اسلام کا کیا قصور ہے۔

ملتے ہین جنسے اپنے نفس پر اعتماد رکھنے اور کام کرنیکی فضیلت سے واقف ہونے پر استدلال کیا جا سکے اور یہ سب مذہب اسلام کے احسانات نہے۔

مثلاً عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہین۔ "مجھے سب سے بڑھکر وہ جگہ پسند ہے جہان مین اپنے کنبہ والون کے لئے خرید و فروخت کا بازار لگا سکون"۔ یعنے کاروبار تجارت کرکے روزی کماؤن۔ ایک بار انہون نے زید بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ زمین پر جو انہی کی ملک تھا درخت نصب کرنے مین مصروف پاکر ان سے کہا تم بہت اچھا کام کرتے ہو۔ لوگون سے بے پروا بنجاؤ۔ یہ بات تمہارے دین کی محافظ اور تمہاری ذاتی عزت کی کفیل ہوگی۔ اور لوگون کی نظر مین تمہارا وقار بڑھائیگی"۔ یا ایک بار انہون نے فرمایا "مسلمانو! تم مین سے کوئی شخص روزی کی طلب سے ہاتھ کھینچکر بیٹھ رہنے اور خدا سے یہ دعا مانگنے کی ہرگز خواہش نہ کرے کہ بار الہا! مجھے رزق دے۔ کیونکہ تمکو معلوم ہے کہ آسمان سے سونا چاندی نہ برسیگا"۔

ابی قلابہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا تہا کہ اگر مین تجھکو طلب روزی مین کاروبار کرتے دیکھون تو یہ مجھو اس سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ گوشۂ مسجد مین جا بیٹھے۔

طلحہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا رالہا! ہمکو مال و جاہ دونون چیزین عطا فرما کیونکہ عزت بغیر مال کے اور مال بغیر اعزاز کے ٹھیک نہین ہوتا۔

یزید بن المہلب کہتا ہے کہ مجھو اس بات سے کچھ خوشی نہین ہوتی کہ مین ساری دنیا کے تمام انجام دیچکا ہون۔ کیونکہ ایسا خیال کرنے سے مجھو راحت پسندی کی عادت پڑجائیگی۔

غرضیکہ انہی کی سی دوسری بیشمار اعتماد کرنیوالی سابقہ قومون مین تعلیم اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے سلف کو نفیڈنشل (اپنی ذات پر اعتماد کرنے) کی ایسی قوی روح پہونکی تہی جسکی پیروی کی آج اہل یورپ کوشش کر رہے ہین۔ انیگلوسیکسن اقوام کے مذہب کے ماننے والے جس استقلال شخصی کی تعلیم کو بچپن کی ابتدائی تربیت کا جزو اعظم بناتے ہین وہ غور کرکے دیکھین اور انصاف سے کہین کہ اس اسلامی تعلیم کے مقابلہ مین انیگلوسیکسن فرقون کی

کہ مسلمانوں کے اسپ ہمت کیلئے امید کامیابی ہر وقت تازیانہ کا فائدہ دیتی رہے۔ انکا قدم جدّ وجہد اور عمل کے میدان مین پیچھے نہ ہٹ سکے۔

ہمین اس مقام پر انسان کے مدنی بالطبع ہونیکی تفصیل وتشریح کرنے یا اسبات کے کہنے کی کچھ ضرورت نہین ہے کہ وہ ایک دوسرے سے مدد لینے اور مل جلکر رہنے کا حاجتمند ہے کیونکہ یہ امور دلیل وبیان کے محتاج نہین خود انسانون کا حضارت اور اجتماعی زندگی پر طبیعی طور سے مائل ہونا ثابت کر رہا ہے کہ وجود اور خلقت انسان کا اصلی مقصد انہین باہمی اُنس وملاپ کی خواہش کا پایا جانا ہے۔ اور اسیطرح ہمین یورپ کے اُن فلاسفرون کا مذہب باطل کرنیکی کوئی ضرورت نہین جو شخصی آزادی کے پیچھے پڑکر کہتے ہین کہ اپنے نفس پر اعتماد کرنیکی یہ حد ہو نی چاہیے کہ ہر شخص بذات خاص ایک قوم بنجائے اور کسی امر مین دوسرے کا دست نگر نہ رہے یعنے وہ قوم کا ایک ایسا فرد بننے کی بجائے جو اجتماعی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے مل جلکر کام کرتی اور رہتی سہتی ہو۔ حیوان مطلق کیطرح تنہا خوری اور گوشہ نشینی کا عادی بنجائے سبحان اللہ! ان عالی دماغ حضرات نے آزادی کی حد سے قدم نکالکر خبط کے دائرہ مین داخل ہونیکی ٹھان لی ہے اور انسانیت کا لباس اُتار کر پھینکدینے کا قصد کیا ہے۔ پھر اس مذہب کے اُبطال کی کیا حاجت ہے جو بدا ہتًا بے جوڑ اور مضرّ خلائق نظر آتا ہو۔

اب ہم اپنے اصلی مرکز پر آکر بیان کرتے ہین کہ مذہب اسلام نے اجتماع کے کیا معنے قرار دیئے ہین۔ اسلامی تعلیم ہمکو بتاتی ہے کہ شخصی اعتبارات کے لحاظ سے ہر ایک مسلمان تنہا ایک مستقل قوم کی حیثیت رکھتا ہے وہ اپنی ضروریات زندگی کے بہم پہونچانے مین دوسرے اشخاص کا دست نگر نہین رہتا۔ لیکن عموم کے لحاظ سے دیکھا جائے تو تمام مسلمان ایک ایسی قوم کے افراد پائے جائینگے جو کاروبار معاش اور حوائج زندگی کی بہم رسانی مین ایک دوسرے کی مدد اور کفالت کرین۔ ہم پہلے معنے اسمو تعبیر بالتفصیل بیان کر چکے ہین جہان اسلام مین ذاتی استقلال کا ذکر ہوا تھا۔ اب اس مقام پر صرف دوسرے معنے کا بیان مقصود ہے۔ یعنے اسلام کی مناسبت سے

مسلمان صرف اسلامی تعلیم پر عمل نہ کرنیسے گرے

اور

گرتے جاتے ہین

آج مسلمانون کی حالت سے اسلام کے اُن زرین قواعد کا مقابلہ کرکے دیکھا جائے تو قومی ہمدا خواہون کے دلپر ایک چوٹ سی لگتی ہے اور وہ اس حیرت مین مبتلا ہوجاتے ہین کہ کیا اسی قوم کے افراد تھے جو کبھی ان احکام کے پوری طرح پیرو ہونے سے آسمان عز وجلال اور فلک رفعت و اقبال کے روشن اختر تھے؟ کیا اس زمانہ مین جیسے مسلمان پائے جاتے ہین وہ کسی نہج سے اپنے آپ کو خیر القرون کے مسلمانون کا خلف کہہ سکتے ہین؟ اصل یہ ہے کہ موجودہ مسلمانون کی حالت پر نظر کرکے دلمین انکی آئندہ ترقیونکی طرف سے بالکل یاس چہا جاتی ہے اور خیال گذرتا ہے کہ یہ ناقدرشناس لوگ جو اپنے دین متین کی قدر نہین کرتے آخر مسلمان کیون کہلاتے ہین؟ اگر قومی مُصلحون کے شیشہائے دل اس ناامیدی کے پتھر سے پاش پاش ہوجائین کہ یہ دریائے غفلت و جہالت مین ڈوبی ہوئی قوم کیا اُچھلے گی جسکے پاس اصول دین حنیف کا نہایت شاندار بیڑہ جہاز آج بھی اس امر کے لئے تیار و مستعد کہڑا ہے کہ وہ اُسپر بہونچنے کے لئے کوشش کرے تو فوراً اُسے لجۂ تباہی سے نکالکر ساحل مقصود پر پہونچائے اور اسی عزت و عظمت کا مالک بنائے جو کبھی اس بیڑہ کے ملاحون کو دنیا مین حاصل تھی۔ اور جنکی ہمسری اور جنکی تہذیب کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم نہین کرسکتی تھی۔ مگر وہ قوم ہے کہ ڈوب جانے کو ترجیح دیرہی ہے۔

نعوذ باللہ! مین کیا لکھنے لگا۔ خداوند کریم کا پاک فرمان اہل ایمان کے لئے ناامیدی کو حرام قرار دیتا ہے۔ اور لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ کے صریح حکم کا اصلی مدعا یہی ہے

اور تمام اہل ایمان اس عام برادری میں شامل ہو گئے جو پروردگار عالم کے فرمان اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ میں مذکور ہے۔ اس برادری کی تکمیل تین شرطوں کے ساتھ مشروط تھی جیسے اسلام نے باہمی امداد و اعانت اور کفالت نوع انسانی کے متعلق نہایت واضح طور پر عیاں ہوتے ہیں۔ جو قومی زندگی کی نہایت معتدل طریقہ پر کفالت کر سکتے ہیں اور وہ شرطیں حسب ذیل ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ نیک باتوں کے لئے ہر طرح کی مدد دیجائے مگر بری باتوں میں ہرگز کسی کا ساتھ نہ دین وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اس معاملہ میں اسلامی برادری کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ اپنی خوشحالی کے اسباب اصول و احکام شریعت کے مطابق جو گناہوں سے محفوظ رکھنے والے ہیں حاصل کریں۔ مثلاً دوسری قوم یا غیر لوگوں سے ضرورتوں کا تبادلہ کرنے میں باہمی منفعتوں کا خیال رکھیں۔ صرف خود غرضی ہی سے کام نہ لیں جس سے دوسروں کی حق تلفی ہوگی اور یہ ظلم ہے جس کا نتیجہ حضارت اور تمدن کی بربادی نکلتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے باہمی امداد و اعانت کا ایسا شائستہ ڈھنگ قرار دیا ہے جس کی وجہ سے انسانوں کے معاملات آپس میں انصاف و خدا ترسی کے وتیرہ پر چل سکتے ہیں اور کوئی شخص دوسرے کے حقوق پامال نہیں کر سکتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ شرائع (احکام) کو قائم رکھنے میں لوگ ایکدل ہو کر کام کریں کیونکہ وہی احکام انکی اصلی اور دائمی سعادت کے کفیل ہیں۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے۔ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ (دین کو قائم کرو اور اسمیں جدا جدا نہ ہو) اس سے زیادہ صریح حکم دین میں متحد الکلمہ اور پھوٹ سے الگ رہنے کے واسطے اور کیا دیا جا سکتا تھا۔ جو صاف صاف بتا رہا ہے کہ مذہب کے اصول میں بالکل ایک رہو۔ جدا جدا مشارب اور عقائد کیوجہ سے اپنی علیحدہ علیحدہ جماعتیں نہ قائم کرو۔ اور ایکدوسرے کی تکفیر و تضلیل کر کے باہمی عداوت کا بیج نہ بوؤ۔ احکام دین کے ادا کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ جن باتوں سے مذہب نے منع کیا ہے انکے پاس ہرگز نہ جاؤ۔ اور تاریخ اسلام بکثرت اسبات کی

اجتماع کی ماہیت بیان کرنیکے بعد دکھاتا ہے کہ وہ مسلمانون کے فرائض کیا قرار دیتا ہے۔

ایک دوسرے پر بہروسہ کرنیوالی قومون کو جنہین اہل عرب خصوصیت کا درجہ رکہتے تہے اسلام نے اسباب سے سخت احتراز کا حکم دیا ہے کہ وہ اپنی حاجت روائی مین دوسرے لوگون پر تکیہ کرین۔ خود رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین من مات علی عصبیّۃ فلیس منا۔

اور عصبیت اسکا نام ہے کہ عام قومی جمعیت کو ترک کر کے ایک گروہ یا خاندان پر اعزاز کا مدار رکھا جائے اور ذاتی قابلیت پیدا کرنے سے پہلے خاندان اور گھرانے پر اعتماد کرنا اختیار کیا جائے۔ اسلام سے قبل یہ خرابی جو خود غرضی کی بنیاد ہے تمام دنیا مین سخت جڑ پکڑے تہی اور یہی نفسانیت دراصل روم وفارس کی قدیم حکومتون کی بربادی کا سبب بنی۔ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیم اور دین الٰہی کی برکتون نے اہل عرب کی عصبیتون کا شیرازہ درہم برہم کر کے انہین اخوت اسلامی کے ایک رشتہ مین پرو دیا جس سے وہ ایسی متحد قوم بنگئے جسکا ہر ایک فرد اپنے کاروبار کی حیثیت سے بجائے خود ذاتی استقلال اور محنت کا فائدہ اُٹھاتا تہا۔ اور عام مصلحت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی امداد و اعانت پر تلا رہتا تہا۔ خداوند کریم نے اپنے اس شاندار احسان کی عظمت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ (یعنے اے پیغمبر تم تمام روئے زمین کی دولت ان لوگون کے دل متحد کرنیکے لئے خرچ کرتے تب بہی اپنی مراد کو حاصل نہ کر سکتے مگر خدا نے انکے دل متفق کر دیئے ہین)۔

اسباب سے یہ بہی پتہ ملتا ہے کہ ان دلون تعصب اور خود غرضی نے کیا آفت برپا کر رکہی تہی پہر جسوقت پروردگار عالم نے اپنے بندون پر اسلام کے ذریعہ سے انہین متحد و متفق بنا کر یہ احسان کیا کہ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا تو جس عصبیت نے جمعیت قومی کا شیرازہ درہم و برہم کر رکھا تہا کافور ہو گئی اور اسکی جگہ باہمی الفت کا دلکش رنگ چڑھگیا۔ اور وہ قوم اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کی مصداق بنگئی۔ عصبیت خاندان پر بہروسہ کرنا اور اسلام کے سوا دوسرے امور کو باعث عزت سمجھنا یہ سب باتین ترک ہو گئین

سے دور رہو اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھو۔ چاہے یہ حالت تمہین اپنے ہی نفس پر برداشت کرنی پڑے)۔ اس حکم کی پابندی سے اہل ایمان کی برادری کو دو فائدے حاصل ہوتے ہین۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ استقلال رائے اور پختگی عقل پیدا ہوتی ہے اور ہر ایک فرد بذات خاص ایک قوم کی حیثیت سے اپنی ذات پر اعتماد کرتا۔ اپنے سارے جسمانی اور روحانی کامون کو اعتدال کے ساتھہ پورا کرتا ہے اور سچی بات کا اعتراف کرنے مین ذاتی نقصان کی بھی پروا نہین کرتا اور ان امور کی پابندی اُسے بُرائیون سے بچا کر نیکیون کی راہ دکھاتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تمام مسلمانون مین ایک دوسرے کی کفالت کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر شخص قومی بہبودی سے واقف ہوکر اسکے برتنے کے لئے شریعت اور انصاف کے طریقون سے آمادہ ہوتا ہے اور اس حالت مین مجموعی قوت ہر ایک فرد کو بجائے خود ایک قوم کی حیثیت مین لے آتی ہے۔ جیسا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "اہل ایمان کی مثال باہمی دوستی اور اُلفت مین ایسی ہے جیسے ایک جسم ہوتا ہے۔ جہان اسکا کوئی عضو دکھا تو اُسکے سارے جوڑ بند صدمہ سے بے چین ہو جاتے ہین"۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث نبوی کا مضمون نہایت خوبی کے ساتھہ یون نظم کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند	کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگران بے غمی	نشاید کہ نامت نہند آدمی

آہ! یہان عقل اس جگہ مین آجاتی ہے کہ جو مسلمان آجکل روئے زمین پر پائے جاتے ہین کیا یہ اُنہی سلف کے خلف ہین جنکے حالات ہمین تاریخ عالم مین نظر آتے ہین آجکل مسلمانون کے تفرقہ اور باہمی مناقشات پر نظر کرتے ہوئے جبکہ اُمنین سے ہر ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے اور ایک مسلمان فرقہ دوسرے مسلمان گروہ کو برباد و تباہ ہوتے دیکھکر بغلین بجاتا ہے۔ ہمین غیر اقوام کے سامنے اسلام کی اس اعلیٰ خوبی کا اظہار کرتے ہوئے شرم آتی ہے

حیرت انگیز مثالیں پیش کر رہی ہے کہ مسلمانوں نے اس شرط کے بجا لانے میں وہ کمال کر دکھایا جو تقریبا نا ممکن تصور کیا جا سکے۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت کی گئی کہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ مشہور سپہ سالار افواج اسلام نے جنگ آرمینیا میں بوجہ علالت تھوڑی شراب ملے ہوئے پانی سے بطور علاج غسل کیا ہے۔ خلیفہ عمر بن الخطاب نے فوراً ایک فرمان ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ عامل شام کے پاس بھیجا جس میں انہیں حکم دیا تھا کہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر عام مسلمانوں کے روبرو جواب طلب کرو کہ شراب حلال ہے یا حرام؟ اگر وہ کہیں کہ حرام ہے تو ان پر شرعی حد جاری کرو لیکن حلال بتائیں تو انہیں بلال رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہاتھ باندھکر میرے پاس روانہ کرو۔ ابو عبیدہؓ نے خالد بن الولیدؓ کو میدان جنگ سے بلا کر انہیں خلیفہ کا حکم سنایا اور بلالؓ کی ہمراہی میں انہی کے عمامہ سے انکی مشکیں کسکر مدینہ کیطرف روانہ کر دیا۔ اللہ اکبر! احکام دین کی فرمان پذیری کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خالد بن الولید سا بہادر جنرل جس نے اپنی تمام زندگی خدمت اسلام پر فدا کر دی تھی اور لشکر اسلام میں جنکے سیکڑوں جانباز دوست تھے اسطرح ایک معمولی خطا کے ارتکاب میں بسر عام ذلت کے ساتھ مشکیں باندھکر دربار خلافت کیطرف روانہ ہوں مگر نہ وہ خود نہ انکا کوئی دوست اس بات پر کچھ اعتراض کرے کہ اتنے بڑے معزز سردار کو یوں ذلیل کرنیکے کیا معنے۔ غرض کہ احکام دین کی تعمیل میں اسلام نے شاہ و گدا دونوں کو برابر رکھا تھا۔ خدا ان بزرگوں سے راضی ہو جو ہمارے لئے ایسی پاکیزہ مثالیں چھوڑ گئے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی اور خاص اپنے نفس کی بہبودی چاہنے اور اسے راہ راست سے منحرف نہ ہونے دینے کے لئے ہر ایک مسلمان کے ضمیر اور خیال کو آزاد رہنا لازم ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اے ایمان والو! تم راہ عدل

تمدن اور سوسائٹی ایک قاعدہ محافظت کی محتاج ہے

اسلام کے بیان کئے ہوئے اغراض تمدن سعادت حیات کی ایسی منزل تک پہونچنے کی ترغیب دلاتے ہیں جو انسانی غور و فکر کی بلند پروازی کی حد ہے۔ اہل یورپ جس چیز کا نام خوشحالی اور فارغ البالی سے کہتے ہیں اسکی قلعی بھی کھل گئی جس سے اب مسلمانوں کو (ترقی تمدن) اور حالات سوسائٹی سے استفادہ کی مزید تشویق اور ترغیب کی حاجت نہیں رہی مگر اس مقام پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مدنیت کسی ایسے قاعدہ کی محتاج نہیں جو تمدن اور سوسائٹی کی گود میں پرورش پانیوالی خرابیوں کے بُرے نتائج سے ہمیں محفوظ رکھ سکے ؟ اسمیں کوئی شبہہ نہیں کہ ایسے قاعدہ کی بے حد ضرورت ہے۔ وہ قاعدہ کیا ہے ؟ روحانی تربیت جو طبیعتوں کو نیکی کیطرف مائل کر کے حرص و طمع کی قوتوں کو اعتدال پر لائے۔ اور شرعی قوانین جو حقوق کی حد بندی کر کے اُن فرائض و واجبات کی تشریح کر دیں جنسے اعمال اور معاملات ٹھیک طور پر چل سکتے ہوں۔

یہ دونوں باتیں دراصل سعادت زندگی کا تکملہ کرنیوالی اور حیات اجتماعی کی رکن رکین ہیں بغیر انکے دنیا کی قومیں تنزل اور کمزوری سے بے خوف ہو کر ترقی اور کمال کے مدارج نہیں طے کر سکتیں اگرچہ اسوقت یورپ کی بیشتر قومیں پہلے مدعا یعنے تربیت روحانی کو چھوڑ کر بھی بہت کچھ ترقیاں کرتی جاتی ہیں لیکن انکی یہ ترقی پائدار نہیں کیونکہ انکی مثال اس شخص کیطرح ہے جسکو خوفناک بیابان میں روپیوں کا توڑا ملگیا تہا۔ اور وہ اس فکر میں غلطان و پیچاں تہا کہ جلد اسے لیجا کر کسی محفوظ جگہ میں پہنچکر لٹیروں اور چوروں کی دستبرد سے بچ جائے۔ مگر روپے ملنے کی خوشی سے انہیں بار بار شمار کرنے اور تہیلی کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے میں ایسا منہمک ہوا کہ شام ہو گئی اور اب اسکے ہاتھوں کے طوطے اُڑے اور روپیہ لیجانیکی فکر تو جاتی رہی صرف اس خطرناک جگہ سے نکل بہاگنے ہی کو غنیمت سمجھا۔

ہمارا یہ دعوٰی بے دلیل نہیں ہے اسلئے کہ اب اہل یورپ جو ایک عرصۂ دراز تک خواہشات نفسانی

افسوس! جس مذہب کا یہ حکم ہو کہ اگر دنیا کے مشرقی گوشہ مین کسی مسلمان پر آفت آئے تو مغربی گوشہ کا مسلمان اسکے ساتھ ہمدردی کرنیکے لئے آمادہ رہے۔ آج اسی کے پابندون مین ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹنے کی فکر رکھتا ہے۔

روم کے دور دراز ملک مین ایک نوجوان مسلمان عورت قید فرنگ کی تکلیف سے متاثر ہوکر چلاتی ہے "وَا مُعْتَصِمَاہ"۔ خلیفہ معتصم باللہ عباسی بزم نشاط مین بیٹھا ہوا اس صدا کی بھنک سن پاتا ہے۔ بس فوراً تمام عیش و سرور کافور ہوجاتا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ جبتک اس عورت کو قید سے رہائی نہ دلوائیگا آرام و قرار کو اپنے اوپر حرام سمجھیگا۔ وہ رومی ممالک پر فوجکشی کے لئے گھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہوتا ہے۔ فوج و سپاہ اور خیمہ و خرگاہ سب سامان پیچھے سے روانہ ہوتا رہا۔ اور خلیفہ معتصم رومی شہر و نیز فتح و ظفر کے جھنڈے اڑاتا ہوا قسطنطنیہ (پائے تخت ممالک روم) کے قریب پہونچگیا ہے۔ قیصر روم نے پیام صلح بھیجا ہے جسکی جواب مین خلیفہ کہتا ہے کہ "جبتک وہ فریاد کرنیوالی مسلمان عورت قید سے نکلکر میرے پاس نہ آجائیگی تمہاری کوئی درخواست قابل سماعت نہین ہوسکتی" اور آخر جسقدر مسلمان وہان قید مین سب کو رہائی دلاکر مظفر و منصور اپنے دارالخلافت مین واپس آتا ہے۔ اگر اس زمانہ کے ان فلاسفرون سے جو حالات تمدن کی تحقیقات مین مصروف اور انسانی اغراض کے مابین موافقت پیدا کرنیکی کوشش میں گرم ہین ہم کہین کہ تم اسلام قبول کرو جسکی یہ خوبیان اور ایسے احکام ہین اور وہ لوگ ہماری بات مانکر آجکل کے مسلمانون کی حالت سے ان احکام کو مطابق کرنا چاہین تو یہ کسقدر شرم اور ڈوب مرنیکا مقام ہوگا۔ کہ ہم زبان سے مسلمان ہونیکے مدعی اور اسلام کی خوبیونکے معترف پائے جاینگے لیکن عملاً ہم سے وہ افعال سرزد ہوتے ہونگے جو تعلیم اسلام کے بالکل خلاف ہین

آہ! وہ دین جسکی بابت ایکبار یورپین فاضل سیئول ہیمر کہتا ہے "اسلام نے ساری دنیا کو فائدہ پہونچایا تھا اسلئے یورپ کا فرض ہے کہ وہ مسلمانونکی زندگی باقی رہنے دے"۔ آج خود اسکے نام لیوا اسکی طرف سے یون غافل ہین؟ مسلمانو! توبہ و استغفار کرو اور اپنی حالت سے عبرت پکڑو ورنہ جسقدر ذلت و تباہی لاحق حال ہوچکی ہے یہ اس سزا کے مقابلہ مین بالکل ہیچ ہے جو آئندہ نافرمانی احکام الٰہی کی وجہ سے ہمین ملنے والی ہے۔

نہین سمجھتے جو انکے خیال مین سوسائٹی کی ضروریات پوری کرنے مین حارج ہوتا ہے (معاذ اللہ)
لیکن ہم بیان کر چکے ہین کہ دین اسلام انکے اس خیال کا بخوبی ابطال کرتا ہے اور یہ دین فطرت
و عقل کے بالکل مطابق اور اغراض تمدن و معاشرت کا جامع ہے ۔

اب ہم کسیقدر اسبات کی تشریح کرینگے کہ تربیت نفوس کے بارہ مین اسلام کیا ہدایت
کرتا ہے اور جس طرح عقل کے متعلق اسکی ہدایتین بیان کی ہین اسیطرح یہ بھی دکھانا چاہتے
ہین کہ اس نے اخلاقی تربیت اور روحانی تعلیم کے کیلیئے اعلیٰ طریقے رکھے ہین جو نفس کے فطری ملکات
کو حد اعتدال پر لانے اور سعادت روحانی پر فائز کرتے ہین ۔

روحانی تربیت سے اسلام کی یہ غرض ہرگز نہین کہ وہی تمام ضروریات تمدن کو پورا کرسکے
جیسا کہ یورپ کا دینی فرقہ کہتا ہے ۔ بلکہ اسلام نے روحانی اثر کو تمدنی معاملات مین افراط و تفریط کی
خرابیون سے بچانے والا اور سعادت دارین کا کفیل بنایا ہے ۔ تاکہ جسم و روح دونون کے
فرائض اور احکام باقاعدہ پورے ہوتے رہین ۔

اسیواسطے اسلام نے صفائی قلب حاصل کرنے اور خودغرضی اور نفسانی خواہشون کے
ملکات کو اعتدال کی حد پر لانیکا حکم دیا ہے ۔ ایسی نفس کشی کا ہرگز ارادہ نہین کیا ہے جو ہمتونکو
پست اور ارادون کا خاتمہ ہی کر ڈالے ۔ اور عقل کو ضعیف بنا دے ۔ اسمین شک نہین کہ اگر انسان
نفسانی خواہشون کے پورا کرنے مین بالکل آزاد ہو جائے اور اسپر کوئی روک ٹوک قائم نہ رہے
تو پھر وہ بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ کیطرح جو کسی خشک لکڑیون کے ڈھیر مین لگجاتی ہو تر و خشک سب کو
جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے لیکن اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ وہ بالکل نفس کشی کا پابند
رکھا جائے تاکہ یہ ملکات بھی جو درحقیقت قوائے انسانی کو بیکار رہنے سے بچاتے ہین سلب
ہو جائین ۔ البتہ یہ ضرور درست ہے کہ ان ملکات کو حکمت کی میزان پر رکھکر دیکھین کہ ایسے اعتدال
کی روش پر لے آئین جو عین وسط ہے اور افراط و تفریط کے پہلوؤن سے علیحدہ ۔ کیونکہ جسقدر
ان آلات کی کمی سینفا جسم و عقل کی حرکت روکنے کا موجب بنکر مضر رسان ہے ۔۔۔ یقینی

کے ہیرو رہے ہیں۔ روز بروز نئی تہذیب اور نیا تمدن کے خطرات کا احساس کرتے جاتے اور
ان سے بچنے کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہو رہا ہے کہ تمدن یورپ کے جسم میں
وہ کاہلی اور سہل انگاری کا خوفناک مرض داخل ہونے لگا ہے جو عشرت پسندی اور نفس پرستی کا لازمی
نتیجہ ہوتا ہے اور وہاں کے فلاسفر اس حالت کے دور کرنیکا انسانی علاج ڈھونڈتے ہیں جس سے باشندگان
یورپ کا ادنیٰ طبقہ بہ طرح طرح کی بلاؤں میں انسل ہو چلا ہیں۔ علمائے یورپ کا ایک فریق جو اخلاق و باد کا
قائم کرنا مفید بتاتا ہے اسکے اعتقاد میں انسان بقدر پاکیزہ مشرب بنایا جائے کہ اس سے قناعت
اور مصیبت برداشت کرنے میں پریشانی لاحق نہ ہو جیسے نفس کشی ہی کی تربیت دینے سے عالم
انسانی ترقی کر سکتا ہے اور نظام تمدن درست ہو سکتا ہے۔ مگر اس مذہب کے مخالفین جو ذاتی
استقلال (سیلف کونفیڈنس) کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے سوسائٹی کی ضرورتیں ہرگز
پوری نہیں ہو سکتیں بلکہ تمدن اور معاشرت کی ضرورتیں پوری کرنے اور سعادت حیات کی تکمیل
کے واسطے لوگوں کی طبائع میں ذاتی ہمت کا جوش ہونا چاہیے جو انہیں کام کرنے پر مستعد رکھے
اور ہر شخص اپنے نفس پر اعتماد کرنا اور دوسرے کی امداد سے بے پروا ہونا سیکھے۔

اگرچہ زمانہ موجودہ کی متمدن قوموں میں ہر ایک عقیدہ کا فرقہ دوسروں کے خیالات اعتقادات کو
غلط اور صرف اپنی رائے کو برسر حق سمجھ کر اسی پر عمل کرتا ہے تاہم عام طور پر دیکھنے سے یہی اخلاقی
تربیت کے مفید بتانے والوں کا مذہب فی الجملہ نقص سے خالی نہیں کیونکہ جب تک اسکے اصول ایسے
نہ ہوں جو فطرت و عقل کے احکام کو صدمہ نہ پہونچائیں۔ اسوقت تک اس سے پورا حسن اعتقاد پیدا
ہوتا اور انسانی طبیعتوں کا اسے مفید تسلیم کرنا آسان نہیں۔ خصوصاً ہمیں اگر کوئی ایسی خرابی ہو
جس سے عقل نے انہیں منشائے خلقت کو نابود کرنیوالا قرار دیا یا تو معاذ اللہ اصول دین لغو
ٹھہر جائینگے۔ کیونکہ بہت سی تعلیمات مذہبی احکام جن کے ساتھ مطابق نہیں ہیں اور انکا نام حسب طبیعی
طور پر استقلال ذاتی کے مذہب کو مفید قرار دیتے ہیں اسیوجہ سے یورپ میں رہبانیت اور اخلاقی
تربیت دینے کے زیادہ مخالفین ہیں اور وہ ایسے غالی ہیں کہ ایک سرے سے مذہب ہی کو اچھا

یہ بھی شرط لگا دی ہے کہ یہ عملی حکمت عمل سے ملی رہے بلکہ اہل ایمان کے تمام اعمال پر یہی قید لگائی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ ط اور قولہ تعالیٰ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ صرف کوشش و عمل ہی کی میانہ روی کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اسکو تحفظ نسبت آمد و خرچ کی شیارد سے مطابق بنانیکے لئے ارشاد ہوا وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا اور فرمایا گیا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا۔

جب انسانی طبیعتیں طلب رزق میں اس معتدل حد پر اور بسر اوقات میں اس میانہ روی پر رُک جائینگی تو ان میں خود بخود حلال و پاک رزق پر قناعت کرنیکا ملکہ پیدا ہو گا۔ اور وہ حرص و زیادہ طلبی کے اُن مخمصوں سے محفوظ ہو جائینگی جنمیں مبتلا ہوکر حلال طریقوں ہی سے روزی حاصل کرنے پر بس نہیں ہوتا۔ بلکہ غیر مشروع طریقوں سے بھی روپیہ کمانے میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ اور یہی امر خود غرضی اور زر پروری کی جڑ ہے۔ مگر طبیعتوں میں قناعت کا ملکہ آ جانے سے یہ خواہشیں اعتدال پر قائم رہتی ہیں اور انسان خود غرضی سے پاک ہوکر دوسروں پر رحم کرنے اور انکے فوائد کا خیال رکھنے پر بھی مائل ہوتا ہے۔ وہ نیک کام کا دلدادہ رہتا ہے اور خاصکر اس صورت میں کہ پروردگار عالم نے اہل ایمان کو نیک کام کرنے، خود غرضی سے بچنے، غیر مستحق لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے اور نیک راستوں میں روپیہ خرچ کرنیکا خود حکم دے رکھا ہو اسکو انکی پابندی کا مزید خیال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کے احکام متعدد مقامات پر آئے ہیں جنمیں سے چند آیتیں ہم یہاں درج کرتے ہیں:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ط

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ط

انکی کثرت استعمال کا نتیجہ بہی برا نکلتا ہے جس سے عقل و جسم کمزور ہوجاتا ہے اور دونوں حالتوں میں
انجام فرائض زندگی کا معطل رہنا ہی ٹھیرتا ہے اسی لئے اسلام نے روحانی تربیت کی یہ غرض
رکھی کہ قلب کو صرف نیک ارادہ کی عادت ڈلوائی جائے جس سے وہ حد سے ڈرے اور معتدل
میانہ روی کا پابند رہے پروردگار عالم جلشانہ کا یہی حکم ہے کہ اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی
اور فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الآیۃ۔

اور یہ یقینی امر ہے کہ نیت، قدرت، علم، اور ارادہ جو قلب کے افعال ہین جسوقت انکی اصلاح
ہوجائیگی تو انسان کے تمام روحانی اور جسمانی اعمال درست و ٹھیک ہوجائینگے۔ حدیث نبوی صلے اللہ
علیہ وسلم ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح لها سائر الجسد مین اسی امر کا بیان ہے
کیونکہ جسوقت انسان پر کسی بات کا اثر ہوتا ہے خواہ وہ کسی قسم کی بات ہو سب سے پہلے قلب اسکی
تاثیر قبول کرتا ہے پہر بدن کے اور حصے متاثر ہوتے ہین لہذا جسوقت قلب نیک ارادون کا عادی
ہوگیا تو جوارح خواہ مخواہ اسکے تابع رہینگے اور نفسانی حس ان چیزون کو بخوبی دریافت کرسکیگی
جنکے ساتھ روحانی اور جسمانی سعادتین وابستہ ہین۔ اور نیک ارادہ عدل سے پیدا ہوتا ہے۔
جو اعمال کی اصلاح اور حکمت و راست روی کا راستہ صاف کرتا ہے اسیواسطے جسطرح اسلام نے
دنیاوی اور اخروی سعادت حاصل کرنیکے لئے ذاتی ہمت و کوشش پر اعتماد کرنے مین ایسی
افراط سے بچنے کا حکم دیا ہے جو قوائے زندگانی کو بیکار بنا دے اور نفسانی خواہشون کو مطلق
العنان کردے اسیطرح روحانی قوت کی طلب مین بہی میانہ روی کی ہدایت کیگئی ہے تاکہ اسقدر
حد تک غلو کرنے سے محترز رہین جو ترک دنیا اور محرومی کو برداشت کرنیکا نام ہے اور جس سے فرائض
زندگی معطل رہتے ہین۔ انہی امور کی بابت اسنے ارشاد فرمایا ہے وَابْتَغِ فِيْمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ
الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔

پروردگار عالم نے متعدد آیتون مین حصول رزق کے لئے کوشش کرنیکا حکم دیا ہے
جیساکہ فرماتا ہے فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ط مگر ساتھ ہی

کرتی ہے۔ اگر اس صورت مین حصول مراد کے اسباب بہم نہ پہونچین یا کامیابی کی امید کم پڑجا
تو آدمی کو موجودہ حالت پر صبر آجاتا ہے۔ کیونکہ جبتک اسباب کے علم کا نتیجہ کامیابی کی امید بر آمد
ہوتا ہے اسوقت تک کوئی مسلمان ناامیدی کو حرام سمجھنے کی وجہ سے کوشش اور پابندی اسباب
کے میدان مین پسپا نہ ہوگا۔ اور جب کبھی سب اسباب کو برتنے پر بھی فائدہ نہ ہوگی تو اسوقت بمقتضائے
قناعت صبر کرکے بیٹھ رہیگا۔ غرضکہ ناامید کبھی نہ ہوگا خصوصًا ایسا ناامید جو بداخلاقی کے
ارتکاب پر تُل جائے اور اسی باعث سے جہان اللہ پاک نے ناامیدی کو حرام فرمایا وہین صبر کرنیوالون
کی تعریف بھی کی ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ
أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ط اور رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم
فرماتے ہین افضل الاعمال ما اکرھت علیہ النفوس۔ اور خود جناب باری ارشاد
فرماتا ہے وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ط

غرضکہ اسلام نے انسانی طبائع کا ایسا علاج تجویز کیا ہے جس سے وہ کام کرین مگر حرص
دامنگیر حال نہو۔ موجودہ حالت پر صبر کرین مگر خواہش ہی کو ترک کردینے کا ارادہ نہ پایا جائے
اور صبر کرین۔ لیکن ناامیدی دل مین جاگزین نہ ہو۔ اور جو امراض تمدن اور متمدن قومون کو
دھمکی دیتے ہین۔ انکا بھی علاج ہے اور یہی امر باہمی امداد و اعانت کی زندگی بسر کرنیکے اوقات مین
جسطرح قومون کے استقلال کی بھی کفالت کرتا ہے۔ اسیطرح فرد واحد کے استقلال کا
بھی معاون ہے۔ غرضکہ جدید تمدن کے زیر سایہ رہنے والے جن نتائج کے خوف سے تھراتے ہین
اور یورپ کے فلاسفر جس حد سے بڑھجانے والی کسب دولت کی حرص سے ڈرتے اور اس سے
بچنے کے لیئے دینی مذہب کے لوگ ترک دنیا سے ملتی ہوئی روحانی تربیت حاصل کرنیکی صلاح
دیتے ہین۔ ان سب امور کا ایسا شافی علاج اسلام نے مدت ہوئی دنیا مین پیش کردیا ہے اور بتادیا
ہے کہ عالم انسانی کی اصلاح کا بےخطر راستہ وہی ہے جسے شریعت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم
نے بتایا ہے۔

الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منًا ولا
اذًی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ط

من عمل صالحًا فلنفسہ -

من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منھا ط

تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوًا فی الارض ولا فسادًا ط

اور حدیث مین آیا ہے لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ -

علاوہ برین مادہ حرص کو قناعت کے اعتدال پر لانے مین ایک بڑا فائدہ یہ ہے
کہ اگر کسی سبب سے کوئی مدعا پورا نہ ہو تو مرد مومن اپنی خواہشون کو روک سکتا ہے اور کسی ایسی
خرابی و بدعنوانی کا اقدام نہین کرتا جیسی کہ اہل یورپ نا امیدی اور ناکامیابی کی حالت مین کر
بیٹھتے ہین - مثلاً کوئی شخص خودکشی کر لیتا ہے اور کوئی ارتکاب جرائم پر مستعد ہو کر نہلسٹ یا انارکسٹ
فرقون مین شامل ہو جاتا ہے اور اپنی کمزوری کا بدلہ دوسرے آدمیون کی خونریزی کر کے لیتا ہے
اسی وجہ سے کہ نا امیدی بڑی فتنہ انگیز شے ہے خداوند کریم نے مومنین پر اسے حرام
قرار دیا ہے - اور حکم فرمایا ہے کہ لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم
وایاکم (یعنی اپنے بچون کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم انکو اور تم کو دونون کو روزی دیتے ہین)
اور ارشاد فرمایا ہے کہ لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیمًا ط اور حکم دیا ہے کہ
لا تقنطوا من رحمۃ اللہ یہ تمام احکام اسی وجہ سے دیئے گئے ہین کہ مسلمان ہمیشہ اس نا امیدی
کی علت سے پاک رہین جو بیٹھے بیٹھون کو بدی کے پھندے مین ڈال دیتی ہے - اور بداخلاقی کا
مرتکب بناتی ہے اور اس غرض سے بھی یہ احکام ملے ہین کہ لوگ امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑین
علما نے امید کی یون تعریف کی ہے - امید ایک حالت ہے جو مجاری اسباب کے علم سے پیدا
ہوتی ہے اور انسان کو ان اسباب کے برتنے کی ہدایت دلاتی ہے - اس سے بڑھکر اور کونسی تعلیم
ہو سکتی ہے جو طلب رزق اور بسر اوقات کی راہ مین پابندی عدل کوشش اور عمل کی تحریک

روح پھونکدی تھی۔ یہی اسلامی شریعت کا کام تھا کہ اس نے ایک صدی سے بھی کم عرصہ مین طرز حکمرانی اور خیالات کی روش مین ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کردیا جو اس سے پہلے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی قوم علم اور تمدن مین دستگاہ کامل رکھنے والی قوم متعدد صدیون مین بھی نہین کرسکی تھی۔ کیا اس تاریخی شہادت سے سمجھدار لوگون کو اس بات پر غور کرنیکی تحریک نہین ہوتی کہ ایسا انقلاب بالکل بے وجہ اور بلا اسباب نہین تھا۔ بے شک اس تیزی اور ایسی شان و شوکت کے ساتھ اتنے شائستہ نظام کا بغیر تائید ایزدی قائم کرسکنا انسانی قوت سے خارج ہے۔

اسلام نے گنتی کے چند برسون مین جو کچھ کر دکھایا انسان کی عقلی اور مادی قوتین باوجودیکہ اور متحد ہو جانیکے بھی ویسی کارگذاری دکھانے سے عاجز و درماندہ رہجاتی ہین۔ رومانی لوگون نے دنیا کے بیشتر ممالک فتح و تسخیر کرکے اپنی بنائے حکومت پائدار بنانیکے واسطے بہت عمدہ قوانین و احکام وضع کئے اور رعایات کی ہر ایک ممکن کوشش عمل مین لائے کہ انکی سلطنت کا سکہ محکوم اقوام کے دلون پر بھی جم جائے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انکی ماتحت قومین ایک دن بھی رومانی بنجانے پر راضی ہوئین؟ انکی قوانین زمانہ وحشت کے قواعد سے کچھ بڑھکر نہ تھے جنہین زبردستی کو زبردستی کے ہاتھون بیچ ڈالا جاتا تھا۔ پھر بھلا ایسا قانون انسانون کی کیا اصلاح کرتا اور کیونکر اجتماع کے نظام کو قائم کرسکتا۔ رومانیون کو جانے دیجئے موجودہ زمانہ کی یورپین قومون کو دیکھا جائے کہ تقریباً تین صدیون سے یہ لوگ ممالک مشرق کو فتح کرنے اپنی نو آبادیان قائم کرنے اور اقوام عالم کو اپنے زیر اثر لانیکی بیش از بیش جد و جہد مین منہمک ہین مگر کیا اتنا زمانہ گذر جانیکے بعد بھی انہون نے کوئی ایسا عام اور معتدل قانون بنالیا ہے جو انکی ماتحت مشرقی یا افریقی قومون کو اقوام فرنگ کا ایسا جزو بنا سکے کہ وہ اپنے فاتحین کے ساتھ بلکہ ایک ہی مقصد اور ایک ہی غرض سے کام کرتی ہون اور سمجھتی ہون کہ ہمارے فاتح اور ہم دونون مشترک فوائد رکھنے کیوجہ سے چولی دامن کا ایسا ساتھ رکھنے کے محتاج ہین؟ نہین ہرگز نہین۔ یورپین قومین باوجود اتنی شاندار ترقی کے جو انکے متقدمین رومن امپائر والون کو بھی نہین نصیب ہوسکی اور باوجودیکہ لمبے چوڑے دعوے کے کہ وہ انسانی خدمت ادا کرنے اور اسکی شان بڑھانیکے لئے دنیا مین تہذیب و تمدن

اسلام نے ایک صدی سے کم عرصہ میں سیاسی انقلاب کا کیا کرشمہ دکھایا

اسلام جزیرہ عرب کے صحرا نشین قبائل مین ظاہر ہوا۔ جنکی وحشت اور جہالت کے حالات سے ہر ایک فن تاریخ کا جاننے والا بخوبی واقف ہے۔ مگر ممالک عرب کے گوشون مین دعوت اسلام کا نور چمکنے کے ساتھہ ہی وہی وحشی اور جنگجو قبیلے جہالت کی پستی سے نکلکر علم کے بام پر چڑھنے لگے اور وحشت و صحرائیت کے تاریک غار سے باہر آکر شہری اور اجتماعی زندگی کے فوائد سے بہرہ اندوز بننے لگے۔ حتی کہ اُنھون نے روئے زمین کے عظیم الشان بادشاہون کے ایوانہائے حکومت پر اسلامی پھریرا اُڑا دیا اور سیکڑون انسانون کو اپنے زیر حکومت لاکر اُنکے ملکون پر اس خوبی سے فرمانروائی کی کہ ہر طرف امن و امان اور عدل و داد کا فرش بچھا دیا تھا۔ علم کی روز افزون ترقی اپنا نور پھیلاتی تھی۔ تمدن کی رونق نظر فریبی کر رہی تھی اور اقوام عالم رفتہ رفتہ دائرہ اسلام مین داخل ہوتی جاتی تھین۔ مسلمان فرمانرواؤن کے باہمی تعلقات اور اُنکے ارکان دولت کی جان نثاری تاریخ عالم مین بے نظیر پائی جاتی ہے۔ اسوقت دنیا کی تمام قومین لوائے اسلام کے سایہ مین امن چین کی زندگی بسر کر رہی تھین۔ نئے نئے شہر تعمیر و آباد ہوتے تھے۔ پرانی زمینین زندہ کیجاتی تھین۔ سڑکین اور راستے بنائے جاتے تھے اور مدرسے کھل رہے تھے۔ غرضکہ اسلامی اصول کے مطابق انسانون کے معاملات ایک نئے نظام کی پابندی سے سدھر رہے تھے۔ جسنے قدیم طرز حکومت کی کایا پلٹ دی۔ اور تمام روئے زمین کی قومون مین اجتماعی زندگی بسر کرنیکی ایک تازہ

قوموں کی راحت و امن کے ضامن اور حکومتوں کی شان و شکوہ کے محافظ ہیں۔ اس لحاظ سے
اسکا پایہ اتنا بلند ہے کہ انسانی عقلیں قانون سازی میں اسکے اصول کا مقابلہ ہرگز نہیں کرسکتیں
رہی یہ بات کہ شارع علیہ السلام نے جن علوم کیطرف اجمال کے طور پر اشارہ کیا ہے انکی پوری تفصیل
اور وضاحت کیوں نہیں کی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات شارع کے فرائض سے خارج ہے۔ بلکہ اسکا
بوجھ ہماری سمجھ پر ڈالا گیا ہے تاکہ بوقت ضرورت کتاب و سنت کو ان علوم کا ماخذ بناکر انہی سے
احکام کا استنباط کریں۔ چونکہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ ترقی اور تمدن کے زمانہ میں ہر روز نئی
صورت معاملات پیش آتی رہتی ہے اسیواسطے شارع نے آسانی کیغرض سے اجتہاد کا حکم دیا
اور جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ انکو بتایا کہ
انتقال حالت اور ترقی کے مدارج میں قدم رکھنے کے موافق جس جس طرح نئے نئے معاملات پیش آتے
جائیں۔ اسیطرح اصول شریعت کو پیش نظر رکھکر۔ اگر کتاب و سنت سے انکے لئے کوئی صریح حکم نہ ملے
تو اجتہاد و قیاس سے کام لیں اور ان صورتوں کے واسطے مسائل وضع کریں۔ علمائے اصول نے
بیان کیا ہے کہ اجتہاد کا جواز قول باریتعالٰی فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ سے اور رسول
پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہوا ہے جو آپنے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن
کا حاکم بناکر بھیجتے وقت ان سے فرمایا تھا کہ "تم احکام کس چیز کے موافق صادر کروگے"؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے
جواب دیا "کتاب اللہ سے"۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا "اگر اسمیں نہ پاؤ"؟
معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا "پھر رسول اللہ کے طرز عمل سے" حضور انور نے ارشاد کیا۔ "اور اگر اسمیں بھی نہ ملے"؟
معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا "پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا"۔ یہ سنکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بہت محظوظ
ہوئے اور فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو ایسی توفیق دی جو اسکے
نبی کو خوش کرنیوالی ہے"۔

اور اسی بنا پر اماموں نے ہر ایک صیغہ حکومت کے لئے اسلامی اصول کے مطابق احکام کا
استخراج کرکے مکمل قانون کی کتابیں تیار کردیں جنمیں کسی ضرورت کے احکام چھوٹے نہیں گئے ہیں

کا لوہا پھیلانا چاہتے ہیں وہ ابتک اس سے بالکل عاجز ہیں کہ اپنی ماتحت غیر اقوام کو اپنا ہم خیال اور اپنے
ساتھ متفق الاغراض بنائیں اور قانون عقل کے مطابق انکی اصلاح کر سکیں۔

اسلام نے نصف صدی میں متعدد قوموں کو اپنا محکوم بنالیا کہ اس سے پہلے باوجود کوئی
حکومت اتنی وسیع قلمرو پر قابض اور اتنی کثیر التعداد انسانوں پر حکمران نہیں ہوسکی۔ پھر اسکے ساتھ ہی
اپنی تمام ماتحت قوموں کو بالکل ایک قوم بنا دیا جنکی غرض معاشرت۔ زبان اور حقوق سب چیزیں
یکساں بلکہ ایک ہی تھیں کیونکہ وہ سب ایک ہی آسمانی قانون اور مقدس شریعت کی پابند تھیں۔
جسکا مقابلہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کبھی نہیں کر سکتے اور انسانی مجموعے اگر اصلاح پا سکتے
ہیں تو اسی شریعت الٰہی سے ورنہ بشر کا امکان نہیں کہ اپنے قائم کئے ہوئے اصول سے اصلاح
خلائق کر سکے۔ اسلامی شریعت کے تمام اصول اسباب پر مبنی ہیں کہ انسان کو نفع پہونچے اور تمدن
و آبادی کی زندگی پائدار رہے۔ کاش! اگر اسلام پر اسکی ترقی کی پچھلی صدیوں میں وہ سیاسی انقلاب
نہ طاری ہوگیا ہوتا جو چند برائے نام مسلمان حکام کی خود غرضیوں اور بعض ملحد فرقوں کی نفسانی خباثت
سے پیدا ہوکر ساری اسلامی دنیا کو تہ و بالا کر گیا۔ تو ہرگز مسلمانوں کو ایسی ذلت و خواری نصیب نہ ہوتی
جیسی آج اپنی دنیا کے ہر ایک گوشہ میں طاری ہے۔ اور انکی ترقی کا قدم کبھی پیچھے نہ ہٹتا۔ افسوس
ہے کہ معدودے چند خود غرض اور مفسد طبائع نے ایسا تفرقہ ڈالا جسنے باہمی پھوٹ کے شگوفے چھوڑکر
مذہبی جمعیت کی دھاک توڑ دی اور سب سے بڑی قباحت یہ پیدا کی کہ اپنی مقصد برآری کے لئے نو مشق مفسد
اشخاص نے مذہبی قواعد کی لاطائل اور خلاف عقل تاویلیں کرکے الحاد کا دروازہ کھولدیا۔ اور
نیتوں کی خرابی نے عام تباہی کا بیج بویا۔

بلاشبہہ اسلامی شریعت انسانی سوسائٹیوں کو خرابیوں کے حملوں سے محفوظ اور انکی
ترقی برقرار رکھنے کے واسطے ایک عملی درجہ کے مضبوط و استوار قلعہ اور زرین قاعدہ کا فائدہ
دیتی ہے۔ اور چونکہ اسلامی قانون انسانوں کے تمام امور معاش و معاد کی حاجتیں پوری کرتا
ہے اور حقوق حکمرانی و انتظام ممالک اور سزا و جزا کے تمام ایسے احکام پر شامل ہے جو

مسلمانوں کے تنزل کا اصلی سبب

(اُن کی)

اصولِ دین سے علیحدگی ہے

پچھلے بیانوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اسلام نے اجتماعی زندگی اور تمدن کی
کسی ضرورت کو نہیں چھوڑا ہے جس کا احاطہ نہ کر لیا ہو اور اس نے دنیا و آخرت دونوں کی
سعادتوں کے راستے بخوبی بنا دیئے ہیں اس لئے جس دین کی یہ شان ہو ضروری ہے کہ اسکے
پابند اشخاص تمام قوموں سے بڑھ کر خوشحال، ترقی یافتہ اور معزز ہوں حتیٰ کہ اس دنیاوی ہستی
میں انہیں کسی قسم کی مصیبت کا وجود ہی نہ پایا جاتا ہو کیونکہ جب انسانوں کے بنائے ہوئے
اصول و قوانین باوجود اپنے نقص کے مغربی قوموں کو تمدن و تہذیب کے اس اعلیٰ پایہ پر لیجا رہے
ہیں جو آج ہمارے پیش نظر ہے تو کیا وجہ ہے کہ اسلام کی روشن اور مکمل شریعت کے پیرو اور اس
دین قویم کے ماننے والے ساری دنیا کی قوموں سے ہر اعتبار میں بڑھ چڑھ کر نہ پائے جائیں؟
مسلمانوں کی موجودہ پستی اور ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر عقلمند لوگ یہی حکم دینگے کہ ان لوگوں نے
آج جو رویہ اختیار کر رکھا ہے یہ اسکے سابقہ طرز عمل سے بالکل مخالف ہے اور انکا علم و ہنر
اور اخلاق میں روز بروز گرتے جانا ظاہر کر رہا ہے کہ اس وقت جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں
وہ سیدھا اور صاف اسلام کا راستہ نہیں اور یہی کجروی انہیں نکبت و ادبار کے تاریک غار میں
گرا رہی ہے بعض ناقص سمجھ کے ظاہر بین اور اصول اسلام سے ناواقف جو افترا باندھتے ہیں
کہ مسلمانوں کی پستی کا موجب (معاذ اللہ) انکا مذہب ہے یہ انکی جہالت اور لاعلمی کا نتیجہ ہے

ہان جو امور اس زمانہ مین نہین تھے اور آجکل حادث ہو رہے ہین اگر انکے متعلق فقہ اسلامی کی قدیم
کتابین کوئی صریح حکم نہین پیش کرتی ہین تو یہ آسانی کہ بوقت ضرورت کتاب اللہ سنت صحیحہ
اور قیاس و اجماع امت سے جدید مسائل کا استنباط کیا جا سکے ہنوز موجود ہے۔ اور یہی قانون
تھا جسکے سایہ معدلت مین رہنے والی غیر مسلم قومین خود بخود حقانیت اسلام کی دلدادہ ہو کر
فوج در فوج اسکے دائرہ مین داخل ہوتی جاتی تہین یا مسلمانون کیطرح اسکے عام کاربار مین
ہر طرح کی امداد و اعانت سے دریغ نہین کرتی تہین۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ انصاف و عدل
ہر دلعزیزی کی بنیاد اور باہمی میل ملاپ کا ذریعہ ہے اور ملک اور آبادی کا قیام اسی پر منحصر ہے
کیونکہ جبتک حکومت منصف اور عادل نہوگی دوسرے مذاہب یا نسل کے لوگ جو اسکے ماتحت
ہونگے اس سے ہرگز خوش نہین رہ سکتے۔ اگرچہ اہل یورپ کا بیشتر حصہ ان دنون اسی بات کی
کوشش کر رہا ہے کہ یوروپین حکومتون کے زیر اثر جتنی غیر قومین بستی ہین انکے ساتھ مساوات
کا برتاؤ کیا جائے۔ مگر انکی یہ خواہش تعصب اور خودغرضی کے اثر سے مغلوب ہو کر اکثر اوقات
عمل پورا نہین کرتی ورنہ یوروپین نوآبادیون مین اصلی ملکی باشندون یا مشرقی قومون کیساتھ آئے دن جو ظلم کے قصے اکثر
سننے مین آتے ہین مگر اسلام کے عروج و ترقی مین اسکی کوئی مثال نہین دیکھی جاتی کہ کسی ذمی کیساتھ ایسا ظالمانہ برتاؤ ہوا ہو
اور اگر کسی مسلمان نے ایسی نازیبا حرکت کی بھی ہوگی تو اسے فوراً اپنے کردار کی سزا ملگئی ہوگی

بہرحال اس بات سے انکار نہین کیا جا سکتا ہے کہ اہل یورپ نے اپنے جدید تمدن مین اسلام کے اکثر اصول سے فائدہ
اور شریعت اسلامی کے عمدہ احکام سے بذریعہ ترجمہ بہت کچھ استنباط کیا ہے اور یہی امر انکی ترقی و برتری کا
اصلی سبب ہوا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ انہون نے اپنی ماتحت قومون سے برتاؤ کرنے مین اسلامی مساوات کے قواعد
پر بالکل عمل نہین کیا کیونکہ اسلام نے غالب و مغلوب کے تمام حقوق مین ایسی مساوات رکھی ہے جس سے انکے مابین کوئی
فرق و امتیاز باقی نہین رہتا اور یہی رہا جس نے ایک صدی سے بھی کم زمانہ مین ان سب قومون کو جو اسلام کے زیر اثر تھین
بالکل ایک قوم بنا دیا تھا اور کاش مسلمان مراد احکام اس اصول سے نہ ہٹتے تو انکو یہ بد دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا جو
انکو تمام مفتوحات دوسرون کے ہاتھون مین چلے گئے ہین اور وہ محکوم بنکر ذلت برداشت کر کے اغیار کے مظالم سہتے ہین

ورحمت تصور کررہے ہین* جنمین سے ایک تو ہماری ہڈیون کو جلاکر خاکستر کردینے کی دہمکی دیتی ہے اور دوسری آفت کہتی ہے کہ سنبہلو ! ورنہ جو حالت بنی اسرائیل پر مذہب کی روگردانی کے باعث آچکی ہے وہی تمپر بہی نازل ہونیوالی ہے۔

یہ زمانہ صدائے حق بلند کرنے اسباب پستی کی چہان بین کرنے۔ نقائص کے بیان کرنیمیں مشغول ہونے اور بمقتضائے الدین النصیحۃ حق باتکے بالاعلان کہنے کا ہے۔ مسلمانون کے دلون مین نور ایمان کی جہلک موجود ہے اور وہ احکام الٰہی کے بدل جان پابندی کرنیکے لئے آمادہ ہین۔ مگر ضرورت اسبات کی ہے۔ کہ اُنہین مذہبکے صحیح اصول سے آگاہ اور بدعت وضلالت کے طریقون سے متنبہ کیا جائے۔ نیک وبد کا علم دلایا جائے۔ اور غیر اقوام کی ترقی اور انکے تنزل کا صحیح نقشہ اُنکے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ غفلت کی گہری نیند سے ہوشیار ہو کر دیکہین کہ اندرونی دشمن یعنے انکا نفس دولت وعیش پرستی کی محبت مین اُنہین راہ سے بے راہ چلاکر پست ہمت بنا رہا ہے اور بری تربیت کا اثر انکو طرح طرحکی مصیبتون کے حلقہ مین گہیرتا جاتا ہے اور بیرونی دشمن انکے املاک اور گہرونپر قبضہ کرکے اُنہین غلامی کا طوق پہنا رہا ہے۔

کوئی یہ نہ سمجہے کہ ہم نے اسلام کی جو خوبیان بیان کی ہین (معاذ اللہ) یہ ہماری من گہڑت باتین اور ڈہکوسلے ہین ہرگز نہین۔ یہ اصول دین کے ثابت ومستقل قواعد ہین اور ایسے حقائق جنسے کوئی مسلمان سرتابی نہین کرسکتا۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ اور صدر اول کے مسلمانون کے حالات کی جانچ کرنے سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ اس زمانہ کی اسلامی ترقیون کی بنیاد یہی تہا کہ سلف صالحین دین کی حقیقتونکے پورے ماہر اور اسکی اصلی ہدایتونپر عمل کرنیوالے تہے اور جبتک یہ بات قائم رہی اسلام کی شوکت وصولت روزافزون ترقی کرتی گئی اسکے بعد تابعین رحمہم اللہ کا دور آیا اور وہ بہی بدینوجہ کہ قرآن اُنکی مادری زبان مین نازل ہوا تہا اسکو مفہوم کو بطور خود سمجہ سکتے تہے اسی لئے اُنہین اسکے معانی مین کسی قسم کی تاویل کرنیکی ضرورت نہین پڑتی تہی۔

* اور سبکے بڑھکر آفت یہ ہے کہ ہم اپنی اندرونی بیماریون اور بیرونی دشمنون کے حملون سے بالکل بے فکر ہو بیٹھے ہین۔

کیونکہ وہ موجودہ زمانہ کے مسلمانون کی حالت دیکھکر یہ خیال ظاہر کرتے ہین ورنہ کون نہین جانتا
کہ ایک زمانہ ایسا بھی گذر چکا ہے جسمین مسلمانون نے علم و ہنر اور تمدن کو تمام دنیا کی نسبت
بڑھکر ترقی دی تھی اور آباد دنیا کے بیشتر حصہ پر حکمرانی بھی کی تھی۔ اس سے صاف عیان
ہوتا ہے کہ وہ مسلمان اب نہین رہے اور جو لوگ ان دنون اپنے تئین مسلمان کہتے ہین یہ
دراصل اس نام کے اہل نہین ہین۔ اسلام فی الحقیقت کتاب اللہ کا نام ہے جسمین کوئی غلطی
نہین پائی جاسکتی۔ اور نہ آئندہ اسمین کسی قسم کی تحریف و تبدیلی ممکن ہوگی۔ اور حدیث صحیح
جو کتاب اللہ کے بعد اسلامی احکام کا ماخذ ہے یہ دونون اسیطرح تا قیام قیامت قائم و
دائم رہینگی۔ اب بھی یہ بات کہ موجودہ مسلمانون کی سمجھ انکے مطالب کے ادراک سے قاصر اور حقیقت
قرآنی کے تصور سے عاجز پائی جاتی ہے اسکی وجہ انکی تعلیم کی خرابی اور وہم پرستی سے خارج
مذہب امور کا ماننا ہے۔ جس نے انکے اخلاق بگاڑ ڈالے اور انہین عزت و عظمت کی بلندی
سے ذلت و پستی کے نشیب مین دھکیل دیا۔ اور وہ اتنی لڑھکتے لڑھکتے اسی تحت الثریٰ
کیطرف چلے جا رہے ہین مگر انکی آنکھین نہین کھلتین۔ وائے غفلت! مسلمانون کی عقل پہ
کچھ ایسے پردے پڑ گئے ہین کہ باوجود اسقدر خطرات و مصائب مین گھرے ہونیکے اسوقت بھی
بکثرت اشخاص اس خیال کے بھی مل سکتے ہین جو اپنے تئین اقوام عالم سے بڑھکر ترقی یافتہ
مہذب اور خوش اعتقاد اور مذہب کے سچے پابند خیال کرتے ہین بلکہ انمین سے بعض لوگون کی سمجھ
مین یہ بات جم گئی ہے کہ یہ زمانہ جو مسلمانون مین علم۔ مذہب اور قوت کی کمی کیوجہ سے
انہین غیر اقوام کے دشمنون کے ہاتھون صدہا قسم کے عذاب پہونچا رہا ہے رسول پاک
صلے اللہ علیہ وسلم کے ایام مبارک کے بعد اسلام کا سب سے اچھا دور ہے جسمین پیشوایان مذہب
اور مصلحان قوم اصول دین کو بخوبی ادا کرسکتے اور شرعی قواعد کے موافق لوگون کو راہ راست
پر چلا سکتے ہین۔ مگر اس سے زیادہ ہماری حماقت کی اور کیا شہادت ملسکتی ہے کہ ہمارے پاکیزہ
احساسات بالکل فنا ہوگئے ہین اور ہم پریشانیون اور مصیبتون کو بھی اپنے حق مین نعمت

صاف طور پر بتا دیا جائے مسائل کی تشریح و توضیح کیجائے۔ سلف صالح کے مستند علماء مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام زہریؒ، اور ابن جریرؒ وغیرہ اس خدمت کے ادا کرنے پر کمربستہ ہوئے اور دینی مسائل کو ترتیب ابواب کے ساتھ کتابوں میں درج کیا۔ مگر یہ خیال رکھا کہ حشو اور لغو کو اس تدوین کتب میں دخل نہ دیں اور ایسے آسان اصول پر کتابوں کو مرتب کریں کہ سمجھنے والوں پر انکی فہم مطالب میں دشواری نہ واقع ہو۔ غرضکہ کسی دینی نص (حکم صریح) کو نقل کرنے میں وہ صرف اسیقدر لکھتے تھے جتنا خود دیکھ یا سن چکے تھے ذرا بھی کمی بیشی نہیں کرتے تھے اور نہ یہ کرتے تھے کہ متفرق باتوں کو اس غرض سے اکیجا جمع کردیں یا مجتمع باتوں کو متفرق بنادیں کہ ان سے مخصوص طور پر کوئی حکم نکل سکے یا کوئی قاعدہ وضع ہوسکے جس صورت سے احکام شریعت ان تک پہونچے تھے بالکل اسی صورت سے درج کتاب کرتے تھے۔ اس احتیاط کا باعث محض یہ خوف تھا کہ مبادا اپنے دخل در معقولات سے وہ خدا و نبی پاک پر بہتان باندھنے کے مرتکب ہوں یا مقاصد شرع پر تعدی کرکے اس راہ حق سے الگ چلے جائیں جو شارع علیہ السلام نے لوگوں کو دکھائی ہے۔

مذہبی تعلیم کا بھی یہی طریقہ تھا کہ طالب علم کو لفظی نزاع کے پھندے میں نہیں پھنسایا جاتا تھا۔ صاف صاف معانی و مطالب جو نص صریح یا حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مترشح ہوتے اسکے ذہن نشین کردیئے جاتے تھے اور ان فلسفی دلائل کے چکر میں ڈالنے سے احتراز کیا جاتا جو شرع کے صحیح مقاصد دریافت کرسکنے کی راہ میں رکاوٹ ڈالکر انسان کو گمراہ بنانے والے ہیں۔ اور جنکی امداد سے آخری دور انحطاط میں اسلام کے نادان دوستوں اور معاند دشمنوں نے اُسے خرافات اور اوہام باطل کا مجموعہ بنادیا۔ (معاذ اللہ من ذالک) حالانکہ اسلام ایسی باتوں سے بری الذمہ تھا۔

نہلسٹ فرقہ کا بانی تہا لیکن جائے شکر ہے کہ ایسے دشمن اسلام فرقون کے بالمقابل جنہون نے اسلامی عمارت کی بنیاد ہلا ڈالی تہی اور اسلام کے شاندار پودے کی جڑہ کہو کہلی کر دی تہی اسطرحکے پاکیزہ مشرب ربانی علماء اور امام بہی مسلمانون مین ہر وقت موجود رہے جو کتاب اللہ کی تیغ براں ہاتہون مین لئے ہوئے ان ناشدنی فرقون کا قلع قمع کرتے تہے اور کلمہ حق کو بلند رکہتے تہے۔

امام احمد بن حنبل رحؔ نے خلق قرآن کے انکار مین معتزلی فرقہ کے ہاتہون جو اذیت برداشت کی اسکا حال مخفی نہین اور انکی حالت سے اسبات کی شہادت ملتی ہے کہ سلف کے علماء حفاظت حق کے مقابلہ مین اپنی جان پر کہیل جانا کوئی بات نہین سمجہتے تہے۔ اور اربابِ بدعت کی تردید مین کوشش کرنے سے دریغ نہین کیا کرتے تہے لیکن افسوس ہے کہ انکے بعد آنیوالی نسل نے اپنی شان اسقدر گہٹادی جس سے بڑہکر ذلت کوئی انسان اس دنیا مین برداشت ہی نہین کرسکتا۔ انہون نے یہ خیال کرلیا کہ کتاب و سنت بلسان لاعطین مین دین کہنے کہ اسلام کا سمجہنا صرف معدودے چند ائمہ سابقین کا حق تہا کہ انکے سوا اب کوئی اُسے ویسا سمجہ ہی نہین سکتا۔ اور اسی پر قناعت نہین کی بلکہ ادرہی نیچے گر کر اسلام کو منحصر محض تقلید مشائخ و مجتہدین مین کرکے اجتہاد او نص صریح سے مسائل کے استنباط کرنے کو ناجائز قرار دیدیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جب دین مین کوئی نئی بات چل پڑی تو لگے متقدمین کی کتابین تلاش کرنے کہ اسبارہ مین وہ کیا حکم دیتے ہین اور جسوقت انکا کوئی صریح قول نہ ملا تو بغلین جہانکنے لگے کہ اسکے دفعیہ کی کیا صورت نکالین۔ اور یہ سمجہ مین نہ آیا کہ کتاب دہر صاف و شستہ عربی زبان مین موجود ہے اور انہین حکم دے رہی ہے کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔

یہی زمانہ تہا جس سے اسلامی جامعیت کے گودون مین بدعتون اور باطل اوہام کی پرورش شروع ہوئی۔ اور ضعیف الاعتقادی کے سیلاب نے اندر ہی اندر قصر اسلام کی بنیادین

اسلام مین منافقون کا ظہور

(اور)

خرابی پڑنے کی بنیاد

اگلے زمانہ مین اسلام کو اُن بے دینون بلکہ منافقون کے ہاتھون نہایت سخت صدمہ پہونچے
جو مسلمانون کو گمراہ کرنے کی غرض سے بظاہر مسلمان اور بڑے متقی مسلمان بنے رہتے تھے
مگر اندرونی طور پر موقع پاتے ہی ایسی خفیہ ریشہ دوانیان کیا کرتے جنسے اکثر صاف و صحیح اسلامی
مسائل مین شبہات و پیچیدگیان پڑ جاتی تھین۔ رسول پاک کے ایام مبارک مین وحی کا سلسلہ
قائم ہونیکی وجہ سے اس گروہ کا کوئی بس نہین چلتا تھا۔ اسکے علاوہ اس زمانہ مین اسلام کی خوبیان
دلونپر بہت گہرا نقش جما چکی تھین۔ اور پاکیزہ فطرت مسلمانونکے دل نورِ ایمان سے اسطرح
منور ہو رہے تھے کہ اُنپر جہالت و باطل کی تاریکی اپنا اثر ہرگز نہین ڈال سکتی تھی۔ اسیوجہ
اس زمانہ کے منافق ایسا فتنہ نہین برپا کر سکے جیسا عجمی منافقون نے سقیفہ خلافت کی
چال چلکر برپا کیا [illegible] کرنیکے لئے بس [illegible] اور دنیاوی اغراض حاصل کرنیکے لئے بہترین ذریعہ
قرار دیا۔ اس خلافت کے جھگڑے نے اسلام کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جو کوئی معاند اسلام
قوم آجتک نہین کر سکی۔ ایک پولیٹیکل جھگڑے کو مذہبی رنگ مین رنگ کر تمام اسلامی دنیا کو تہ و بالا
کر دیا گیا۔ اور اپنے حسب مراد موضوع حدیثین بنا بنا کر جمعیت اسلام کا شیرازہ تتر بتر کر دیا گیا۔
سب سے پہلے مسلمانون مین تفرقہ برپا کرنیوالے فرقے شیعہ اور خارجی تھے جنکی پیروی کرکے
عجم کے بے دینون اور منافقون نے مذہب اسلام کا صاف سرچشمہ گندا کیا۔ جسمین اپنے اگلون
کے نعم الخلف ہونیکا ثبوت دیا۔ مثلاً باطنیہ فرقہ عقیدہ کے لحاظ سے غلو کا قائل اور جواز عمل کا

غیر مستحق علما کی کثرت اور اصلی علما کی سربازی

علما پر نکتہ چینی کرنے سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم انکی اہانت کریں۔ توبہ توبہ۔ انکی شان اس سے کہین ارفع و اعلیٰ ہے لیکن جن لوگون نے دستار فضیلت کو بغیر استحقاق سر پر رکھ لیا ہے وہ بہر حال اس زجر و توبیخ کے سزاوار ہین کیونکہ انہون نے شریعت کے اصلی ماخذ قرآن و حدیث سے روگردانی کر کے سلف صالحین کیجانب منسوب کیگئی غیر مستند اور لغو باتون پر بنائے عقیدہ ڈالکر عام لوگون کو گمراہی مین پھنسا رکھا ہے۔ اور جو اہل علم خدا سے ڈر کر کسی اصلاح کی کوشش کرنا چاہتا ہے الٹا اسی کو گمراہ بنانے اور اسکی تکفیر کرنیکے درپے ہو جاتے ہین۔ وہ کیون جائین شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ کے ایسے زبردست عالم اور حق پرست شخص پر انکے ہمعصر علمائے محض اسلئے کفر و الحاد کے فتوے صادر کئے کہ انہون نے اس زمانہ مین پھیلی ہوئی بدعتون کی اصلاح اور انکو دور کرنیکی سعی کی تھی۔ اور مسلمانون مین فساد عقائد کی اشاعت روک کر انہین کتاب و سنت صحیحہ کے دلائل سے دینی سادگی کی سطح پر لانیکا ارادہ کیا تھا۔

خیر یہ بھی دور کا قصہ ہے۔ موجودہ زمانہ مین چند اہل علم جنکی علمی فضیلت کو ہندوستان کے اکثر مسلمان اور علما بھی تسلیم کرتے تھے بنام نہاد ندوۃ العلما ایک انجمن قائم کر کے اسبات کے درپے ہوئے کہ جامعیت اسلام کے مردہ جسم مین پھر تازہ روح پھونکین اور مسلمان فرقون کے باہمی بغض و عناد کو مٹا کر انہین اخوت اسلامی کے صاف و سیدھے راستہ پر چلائین۔ لیکن وہی علما جو پہلے ملک مین عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اپنے بھائیون کی سب و شتم کے نشانہ بنے اور جاہلون کو الگ رکھئے علما و مشائخ بھی اس انجمن کے درپے تخریب ہوگئے

کاٹنی شروع کردین جو آخر کار اُسے لے ہی بیٹھین۔ موضوع حدیثین تراشنے والون اور کم علم واعظون نے بے معنے قصص و روایات پر اپنے ارشاد و ہدایت کا دار مدار کر لیا۔ جنکی وجہ سے مسلمانون کے عقائد پھر اُسی زمانہ بت پرستی کی بدعتون سے خلط ملط ہوگئے۔ جنکے دفع کرنیکے لئے سلف صالحین نے مردانہ وار جہاد کیا تھا۔ اسپر طرہ یہ ہوا کہ تعلیم دین کا طرز بگڑ گیا۔ اور باوجود اس کے کہ نزاع لفظی پر زور رہا پھر بھی تمام تعلیم وتعلم کا مدار طوطے کیطرح چند الفاظ یا کتابون کے رٹا دینے پر رہگیا۔

افسوس ہے کہ اسبارہ مین ہم جسقدر زیادہ غور کرین اپنے علمائے کرام سے اسیقدر اور بدظن ہوتے جائینگے۔ حالانکہ ہم اُن بزرگون کی سچے دل سے تعظیم کرتے ہین لیکن کیا کرین کہ انکی غفلت اور سستی نے دین کا سخت نقصان کیا اور کرتی جاتی ہے۔

مجبوراً ہمین یہ چند کلمات انکے گوش گذار کرنے کی جرأت ہوئی تاکہ شاید وہ اب بھی اس فعل کیطرف توجہ کرین اور اپنے فرائض و واجبات کے ادا کرنے مین خلوص اور صفا نیت سے کام لین۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ۔ ورنہ جس قوم کے پیشوا اسکی حالت زار پر توجہ نہ کرین۔ اور توجہ کرنا کیسا خود ہی اپنے فرائض نہ پہچانین اسکا خدا ہی حافظ ہے۔ اور ضرور ہے کہ یہ امراض ایکدن اسکی جان لے کر رہینگے۔

۔ والعیاذ باللہ ۔

حضور صلعم جبکہ وہ یقینی طور پر اس بات کو بھی جانتا ہو کہ قرآن کریم مین جو احکام دیئے گئے ہین انپر عمل کرنا ضروری اور فرض ہے۔ ورنہ وہ دائرہ ایمان سے خارج اور اسلام سے بے تعلق ہو جائیگا۔ جیسا کہ حق سبحانہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؕ

اور چاہیئے کہ تم مین سے ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کامون کا امر کرے اور برے سے روکے۔ یہی لوگ نجات یابندہ ہین

پھر ایسے صریح حکم کی خلاف ورزی کرکے اگر اہل علم اصحاب جاہلون اور عوام کو سیدہی راہ دکھانے سے باز رہین تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ انکا کیا انجام ہوگا۔

متاخرین علما کی اپنے دائرہ فرائض مین غفلت نے اسلام کا کھوج کھو دیا

ہمین شک نہین کہ ہم نے پچھلے زمانہ کے علماء کو معاملات دین مین سہل انگاری کرنیکا الزام دیا ہے اور اس سے موجودہ علمائے ملت ہمپر نہایت ناراض ہونگے لیکن ایک انصاف پسند آدمی قرآن اور حدیث کے رو سے دینی اصول پر غائر نظر ڈالکر اور تاریخ سلف کا مطالعہ کرکے ہماری راستی کا قائل بنجائیگا۔ اور دیکھیگا کہ بہ نسبت امراء کے علماء ہی اس الزام کے زیادہ مستحق ہین۔ اب ہم مختصر طور پر اسکے وجوہ بھی بیان کئے دیتے ہین جو حسب ذیل ہین :-

اسلام نے نہایت حکمت اور انصاف کے ساتھ ہر شخص کے حقوق کی حدین مقرر کی ہین اور محض اس غرض سے کہ لوگ ان حدود کے برتنے مین تجاوز نہ کرین ایک حاکم انکی نگرانی پر

چنانچہ ایک مفید قوم کام اور اہم اسلامی انجمن جس سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوسکتے اور قوم کے اضمحلال دور ہونے مین بہت بڑی مدد ملتی آج بیکسی کے عالم مین پڑی ہوئی حیرت و استعجاب کے ساتھ اپنے سمتقو مونکا منہ تکتی ہے اور کچھ نہین کرسکتی ممکن ہے جو مسلمانون کے تفرقات مٹانیکی ضرورت نہین محسوس کرتا ! مگر جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ جو حضرت جنکو ہم مذہبی پیشوا اور قابل احترام تصور کرتے ہین ایک ایسے ضروری اور مفید معاملہ مین سنگ راہ بنتے ہین تو کیونکر نہ کہین کہ یہ سب علما انکی کم مائگی اور انکی خیالی تعلیم کا نتیجہ ہے ۔ پھر جس قوم کے ہادی ۔ پیشوا ایسے ہون اسکے عوام وجہال کی نسبت کیا پوچھنا ہے ۔ انہین تعلیم و تعلم کا اہل تو امر ہی نہین ۔ اور سب ہی تو انہی استاد کے شاگرد ہین جنکے حالات اوپر بیان ہو چکے ۔

علما پر جو نہین کیگئی بلکہ انکے واقعی حالات کا ذکر اسباب تنزل کی تحقیق کے ضمن مین آگیا ہے ۔

خدا علیم و دانا ہے کہ ہم نے علما و مشائخ پر نکتہ چینی کا کسی ذاتی غرض سے اقدام نہین کیا بلکہ مسلمانون کے اسباب تنزل پر غور کرنے اور اسبات کی کرید کرنے مین کہ آپس مابین نفاق و عداوت کا جو مرض پھیلا ہوا اور انکی زندگی ختم کردینے کی دھمکی دے رہا ہے ان روحانی طبیبون اور اخلاقی معلمون کا ذکر بھی آنا ضروری تہا اسلئے حتی الامکان انکی آبرو کے پہلو کو بچاکر جو امر حق اور صحیح تہا وہ درج کیا گیا کیونکہ جو حالت آجکل ہر ایک مقام کے مسلمانون پر طاری ہے اسے دیکھکر کسی دردمند مسلمان کا خاموش رہنا ممکن نہین ۔

قرار دیا بلکہ انکو حکم دیا کہ خود اپنے نفس کا بھی احتساب کرو جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اور فرمان ہوا ہے اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اور وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ الآیۃ اور رسول کریم علیہ الصلوات والتسلیم نے فرمایا ہے اگر تم مین سے کوئی شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اُسے اپنے ہاتھون سے روکے اور ہاتھون سے نہ روک سکے تو زبان سے باز رکھے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے اُسے بُرا سمجھے جو ایمان کی نہایت کمزور نشانی ہے۔ سلف صالح رحمہم اللہ اس حکم کی ایسی عمدہ طور پر تعمیل کرتے رہے کہ انکے وقت مین ہرگز کسی فرد قوم کو بُرے افعال کے علانیہ ارتکاب کی جرأت نہین ہو سکتی تھی۔ امرا اور حکام۔ ائمہ اور علما کی لعنت و ملامت سے ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے۔ اور یہی حق تھا جس نے ایک معمولی اعرابی کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تئین برسرِ منبر خطبہ فرماتے ہوئے یہ جواب دینے کی جرأت دلائی کہ واللہ اگر تم مین ذرا بھی کجی پائینگے تو ہم اُسے اپنی تلوارون سے نکالینگے۔

مسلمانان سلف کے حالات دیکھکر اس زمانہ کے مسلمان دراصل مسلمان نہین نظر آتے

جو شخص دین اسلام کے اصول سے واقف اور سلف صالحین کی سیرت اور تاریخ سے باخبر ہو اُسے آجکل کے مسلمان کسیطرح مسلمان کہلانیکے مستحق نہین نظر آتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اسوقت دنیا کی تمام قومون سے پیچھے پڑے ہوئے ذلت و گمنامی کے غار مین گرتے جاتے ہین لیکن اگر ہم غور کی نگاہ سے دیکھین تو ان تمام خرابیون کی جڑ ہمارے پچھلے زمانہ کے

متعین کیا۔ اس حاکم کو لوگوں کی ذات اور کاروبار پر کوئی تسلط نہیں دیا گیا تھا بلکہ اسکی خدمت
صرف بشرط اہلیت قوانین اور احکام شرع کی تنفیذ تھی نہ کہ رعایا سے غلامی کا برتاؤ کرنا جس سے
انکی آزاد طبعی اور غیرت کا خون ہوجائے۔ اسلام نے دراصل اُس قدیم طرز حکومت کی
بیخکنی کردی تھی جسمیں بادشاہ یا حاکم رعایا کے جان و مال کا مطلق العنان مالک ومختار
ہوتا تھا۔ اور اپنی خواہشیں پوری کرنیکے لئے اُنسے جسطرح چاہتا کام لیتا۔ کیونکہ اس
مذہب کی غرض یہی تھی کہ لوگوں کے وہ جذبات جو راستی اور پسندیدہ آزادی کے
متعلق ہیں ہرگز نہ دبائے جائیں اور مسلمانوں کو دنیا و عقبےٰ دونوں جہان کی سعادت
نصیب ہو۔ دعوت اسلام میں صرف تبلیغ اور سمجھا دینے کا حکم تھا۔ کسی پر زور ڈالکر
قبول اسلام کے لئے مجبور بنانیکا حکم کہیں نہیں دیا گیا۔ پہلے پہل رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم کو حکم ہوا یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اور فرمان ہوا اُدْعُ
اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ اور یہ ظاہر کرنیکے لئے کہ انسانوں کے
دلی جذبات پر تمکو قابو نہیں دیا گیا ہے۔ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ۔ اور مَا اَنْتَ
عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ارشاد ہوا۔ پھر جب رسالت مآب کو ایسے احکام دیئے گئے تو دنیاوی
حکام اور امیروں کو کب سیاست کا حق دیا جاسکتا تھا۔ کہ وہ عام رعایا اور خلق اللہ کو جبر
کرد ٹ چاہیں بٹھائیں اور اپنے نفسانی جذبات پورے کرنیکے واسطے دوسروں کی آزادی
کا خون کریں۔ لہذا قاعدۂ ریاست کی حدبندی کے واسطے اس حکم اور رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم کی تبعیت سے بڑھکر اور کیا عمدہ صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر کررہی ہے کہ
انسانی راحت کی کفیل اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف اسلامی شریعت ہے۔ حاکم شرع
یا حکمران ملک محض شریعت کا خادم ہے۔ نہ یہ کہ شریعت اسکی خدمتگذار ہو۔ اسی لئے قوانین
شریعت اور قواعد حکمرانی کو اہل حکومت کی جاہ پسندی اور تجاوز حدود سے بچانیکے واسطے
پاکیزہ مذہب اسلام نے عام مؤمنین کو بے محابا قیام شریعت اور اقامت حدود کا کفیل و ذمہ دار

بلکہ دہ پوری قوت سے خوابی میں نہ تھا کیونکہ قرآن مجید ابھی تک اور یہ بات نہیں۔ اسی وجہ سے اس وقت مسلمان اقوام عالم کے ترقی اور عزت و حکومت کے آسمان پر نیر اعظم کی طرح چمک رہے تھے۔

مسلمانوں کے تنزل کا اصلی سبب

صحیح دینی تعلیم و تربیت کا فقدان ہوا

اب سوال پیدا ہوگا کہ پھر کونسی چیز تھی جس نے مسلمانوں کو آسمان عزت سے تحت الثریٰ میں خاک ذلت پر دے پٹکا؟ کیا کتاب اللہ جو انکی رہنما اور احکام شریعت کا منبع تھی آٹھ گئی یا وہ شریعت جو انکی سعادت کی موجب تھی مٹ گئی؟ ... نہیں ذالک ... یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ پچھلے زمانہ کے علماء نے تعلیم کا سمجھنا اور سکھانا چھوڑ دیا۔ خلافی مسائل میں باہم فرقہ بندیاں کرلیں۔ تعصب وہ بین گنجائش پیدا کر کے انہیں عام مسلمانوں پر واجب بنا دیا۔ اور دینی معاملات میں انہیں تقلید کی زنجیر و بند سے جکڑ کر بے حس و حرکت بنا ڈالا۔ تقلید بھی امور شرع کی نہیں بلکہ مذہبی اور شخصی پیروی جسکی وجہ سے مسلمانوں کی گروہ بندیاں قائم ہونے لگیں اور وحدت و جامعیت اسلام کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ دینی صحیح احکام سے لاعلمی نے اخلاقی بگاڑ کا سیلاب ایمان اور قومیت کی مستحکم فصیل کو منہدم کر ڈالا۔ والیان ملک اور امرا اپنی حیوانی طبیعت کے جذبات پورے کرنیکے واسطے اسی بات کے منتظر تھے۔ شریعت کے محتسب اور عدالت کے قائم کرنیوالے مذہبی مسائل کے اندر اختلافات ڈالنے اور مباحثوں اور مناظروں میں سرگرم رہنے کو واجب سمجھکر اسکے پیچھے پڑ گئے اور اہل حکومت دل کھولکر بے فکری سے جبر و ظلم اور شہوت پرستی کرنے لگے۔

علماء ہی تھے جنہوں نے قوم کی اصلی بہبودی اور صحیح تعلیم سے ۔ مگر [illegible] ذکر کئے نہیں تو اپنی
دیا ۔ اور غیر ملکوں کے مسلمان جنکی مادری زبان عربی نہیں تھی ۔ [illegible] مسائل کی ناواقفیت سے
بگڑنے لگے مگر ان حاکمان شرع نے انکے [illegible] نہیں کی جہاں
سلف صالحین کے علماء اور [illegible] کے جیسے شاہ وقت تمام شرعی حکم
پر قائم رہتے دیکھیں گے وہیں نہایت افسوس کے ساتھ اسلامی [illegible] آل عہد [illegible] کے علماء
بادشاہوں اور امیروں کے عیش پرستی اور [illegible] لئے دین فروشانہ فتوے ان
مدد دیتے ہوئے نظر آئینگے۔

امام اعظم ابی حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ اور انکے تلامیذ کرام اسلامی دنیا کا تمدن جو آپ
دیکھکر شب و روز حامل شریعت غرا کے موافق ہر ایک [illegible] معاملہ کے متعلق قوانین وضع
کرنے میں سرگرم رہتے تھے یہاں تک کہ کوئی شعبہ حکومت کا انکے بنائے ہوئے صحیح اور درست
قواعد سے خالی نہیں رہا ۔ انتظام ملکداری کے قانون الگ اور جنگی قوانین علیحدہ مرتب
کئے تھے ۔ وصول و تحصیل خراج کے ضوابط جداگانہ مدون کر دیئے تھے ۔ قاضی ابو یوسف
کی کتاب الخراج ۔ ابی یعلی اور ماوردی کی کتاب احکام السلطانیہ اور اسی طرح کی بہت سی
مفید کتابیں انکو نصاب درس میں داخل تھیں جنکو پڑھکر فارغ التحصیل اشخاص حکومت کے کاروبار میں حصہ
لیتے تھے ۔ اور ایک طرف نیک نفس اور خدا پرست علمائے اسلام کا گروہ خلفاء اور حکام کو
دلی خلوص سے نصائح سنا کر خوف خدا دلاتا رہتا تھا ۔ حسن بصری اور سفیان ثوری وغیرہ جب
خلفاء سے ملتے تھے تو انکے دلوں پر اپنے پاکیزہ اقوال سے اثر ڈالکر رعایا کی خبر گیری اور
قواعد اسلامی کی پابندی کا خیال دلاتے تھے ۔ اور تعلیم دیتے تھے کہ تمہارے واسطے
چند ایسی حدیں مقرر ہیں جن سے آگے بڑھنا ناجائز ہے ۔ اور رعایا کے کچھ اس قسم کے
حقوق ہیں جنکا ادا کرنا تم پر واجب ۔ بھلا ایسی حالت میں کسی بادشاہ یا فرمانروا کو احکام
شرع کے خلاف چلنے کی جرأت کیونکر پیدا ہوتی ؟ ہاں ان رقیبوں اور محافظوں سے

لانیکی سعی کرتے اور اُنہین حامل قرآن ہونیکی حیثیت سے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ کی وصیت پر عمل کرکے باہمی اتفاق واتحاد کا سبق پڑہاتے تہے؟ نہین بلکہ انہین سے ہی ہر ایک فریق اپنی قوم کی جنبہ داری کرکے دوسرے فریق کو کافر و ملحد بناتا اور اچہی طرح خونریزی کرتا تہا۔ انکے دل مین ایک ساعت کے لئے بہی اسبات کا خیال نہین گذرا کہ آیا وہ راہ راست پر چلنے کا فتوی صادر کر رہے ہین یا مزید گمراہی مین مبتلا کرنیکا سامان کرتے ہین۔ نہ انہین اس امر کا احساس ہوتا تہا کہ باریتعالی کے قول وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ کے مطابق وہ ارشاد وہدایت خلق کے ذمہ دار ہین۔ اور مسلمانون کی رہنمائی کرنا انکا فرض ہے۔ پس اگر اس فرض کے ادا کرنے مین اُنسے کوتاہی صادر ہوتی ہے تو قاتل اور مقتول دونون کا بار گناہ اُنہی کی گردن پر رہیگا۔

جس قوم کے امیرون اور راہنماؤن کی یہ حالت ہو اسکی گمراہی اور تباہی مین کیا باقی رہ سکتا ہے۔ وہ راہ راست سے بہٹکی اور زبان حال سے پکار کرکہہ رہی ہے کہ:
"خداوندا ہم نے اپنے حاکمون اور بڑے لوگون کی پیروی و اطاعت کی اور انہون نے ہمین راہ سے بے راہ کیا"۔ ہم بے قصور ہین۔

سابقہ بحثون کے عام نتائج

غرضکہ ایسے مختصر رسالہ مین جہانتک تہوڑی عبارت مین مسلمانون کی اجتماعی زندگی کے اغراض اور انکے دینی اور دنیاوی حالتون کا انقلاب بیان کرنا ممکن تہا بیان کرنیکے بعد ہم اس تمام مضمون کا جو نچوڑ نکال سکتے ہین وہ حسب ذیل ہے:-

موجودہ زمانہ مین یورپ کے سوشیلسٹ فرقہ نے عقلی دلائل سے اجتماعی زندگی

اس تاریکی اور جہالت کے دور مین حکمرانون نے عدل وانصاف کی جگہ زور وقوت کو بنیاد
حکومت قرار دیا اور کئی صدیون تک محض تلوار کے بوتے پر فرمانروائی ہوتی رہی ۔ ع

ہر کہ شمشیر زند خطبہ بنامش خوانند

اور ع عروس ملک کسے در کنار گیرد تنگ — کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار زند۔

حکمرانی وسلطنت کا دستور العمل قرار پایا۔ پھر جب دین آلہی کے احکام اس بے دردی
کے ساتھہ پامال کئے جانے لگے تو حکمت ایزدی نے بھی ایسی بدکار قوم کو اسکے اعمال
کی سزا دینی ضروری سمجھی۔ اور اسکا انجام یہ ہوا جو آج اطراف عالم مین نظر آتا ہے۔

مسلمانون مین اختلاف مشرب کیوجہ سے دنیاوی نااتفاقی کی اشاعت

مسلمانون نے مذہبی تفرقہ ہی پر اکتفا کی ہوتی تو بھی انکی حکمرانی کی زندگی اسقدر
جلد ختم نہ ہوجاتی لیکن غضب تو یہ ہوا کہ دنیا مین بھی انکے مابین ایسی پھوٹ پڑی کہ
صرف وسط ایشیا کے ایک مختصر سے ٹکڑے مین انکے ایک دہائی سے زائد بادشاہ مستقل
مسلمان قوم ونیز حکمران تھے اور آپس مین ہر وقت کٹا مرا کرتے۔ انکے ماتحت مسلمانون کو اسبات
کا بھی احساس باقی نہین رہگیا تھا کہ آخر جن لوگونکی خونریزی پر انہون نے کمر باندہی ہے۔
وہ انہی کے ہمقوم ہین۔ بس وہ ایک بے حس ہتہیار کیطرح اپنے ان افسرون اور بادشاہون
کے ہاتہون مین کام دیا کرتے تھے جو اسلامی اتفاق کے شاندار درخت کو قطع وبرید کرنا
اپنا فرض سمجھکر مذہب اسلام کی عزت برباد کرنے مین حد سے بڑھکر بے باک ہوگئے تھے۔
اس تاریکی کے دور مین علمائے اسلام کیا کرتے تھے؟ کیا وہ ان گمراہ مسلمانون کو راہ راست پہ

مسلمانون کے اختلاط و تنزل مین اُن عربی یا عجمی منافقون نے بھی بہت بڑا
حصہ لیا ہے جو اسلام مین تفرقہ ڈالنے ہی کی نیت سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر باطن
دشمن دین تھے ... انکے اندر مذہبی اور سیاسی جھگڑون کا بیج اول روز ہی سے بو گئے۔
... مسلمانون کے عقائد انگلے مسلمانون کے عقائد سے بالکل جداگانہ اور نرالے
ہو گئے ہین ... انکے دینی عقائد مین سیکڑون بدعتین شامل ہو گئی ہین یہی وجہ ہے کہ
اس زمانہ مین لوگون کو حقیقت اسلام کے دریافت کرنے مین دقت پڑتی ہے۔
اور ... مسلمانون کے ظاہری اعمال کو دیکھکر حکم لگا دیتے ہین کہ (معاذ اللہ) مذہب اسلام
ہی مسلمانون کے تنزل اور دیگر اقوام سے پسپا رہجانے کا سبب ہے۔ حالانکہ یہ انکی سخت
غلط فہمی ہے

علمائے سلف نے جسطرح دینی علوم کی تدوین کرتے ہوئے ترتیب مسائل مین
فضول اور بیہودہ باتین داخل کرنے سے محترز رہنے کی کوشش کی تاکہ انکی تعلیم اور سمجھنے
مین دقت نہ پڑے۔ اسیطرح انہون نے مسلمانون کی کجروی دور کرنے اور منافقون
اور بدعتی لوگون کی افترا بندیونکی مدافعت کرتے رہنے مین بھی پہلے ہی دن سے خدمت
اسلام کا فرض ادا کیا۔

پچھلے زمانہ کے مصنفون اور مولفون نے اپنی تصانیف و تالیف مین حشو اور
لغو باتین بھر دین۔ اور قصہ خوانون اور من گھڑت حدیثین بیان کرنیوالون کی کتابون نے
اشاعت پائی تو انکا لوگون کے ہاتھون مین پہونچنا دین اسلام کے اوہام باطلہ اور ضعیف
الاعتقادیون کا مجموعہ بنجانیکا سبب ہوا۔ اور جو باتین اس پاکیزہ مذہب مین نہین تھین
جب وہ خواہ مخواہ اسکے اندر ٹھونس دی گئین تو صحیح اسلامی اصول کا سمجھنا سخت
دشوار ہو گیا۔

علمائے متاخرین نے اپنے اوپر کتاب و سنت کا سمجھنا حرام قرار دے لیا اور

کے جو مقاصد قرار دیئے ہین اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے ان سے کہین بڑھکر مکمل اور قابل عمل اصول مرتب کر دیئے جو دونون جہان کی سعادت کے کفیل ہین۔

اگرچہ وہ بہت تھوڑا زمانہ ہے جسمین مسلمانون کو مذہب کا پورا علم اور اسلام کی غرض سے بخوبی واقفیت تھی لیکن اسی قلیل مدت مین کتاب اللہ اور حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کو سمجھکر اسپر عامل ہونیکی وجہ سے انہون نے اسقدر ترقی کی کہ دنیا کا بیشتر حصہ اپنے قدمون کے تلے روند ڈالا۔ روئے زمین کی سب سے بڑی اور قوی سلطنتون کے چراغ گل کر دیئے۔ اسلامی حکومت کی بنیادین عدل و داد کے اصول پر قائم کین عدل عمرانی کا شاندار قصر تیار کیا۔ اور انسان کو مدنی زندگی مین یا حکومتین کے عہد عروج مین جن باتون کا علم درکار ہے انکی پوری طرح تحصیل کرلی۔

جس زمانہ مین مسلمان حقیقت اسلام کو اچھی طرح سمجھکر اسکے صحیح اصولوں پر کاربند تھے اسوقت وہ اپنے فرائض بخوبی جانتے تھے۔ حدود شرعی سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ افرادی اور اجتماعی حقوق کو بہت عمدہ طور پر پہچانکر انپر عامل تھے اور انکی امانتداری کا حق ادا کرنے والے تھے۔ معاش و معاد کے راستہ پر چل رہے تھے۔ اور خاص خاص کاموں مین سلف کو نقیدڈنسل (ذاتی استقلال) پر اور تمام معاملات مین اخوت اسلامی پر کاربند رہتے تھے۔ اور مسلمانون کے ان صفات سے نہایت اچھی طرح متصف ہونیکا زمانہ خلفائے راشدین کا زمانہ تھا یا اسکے بعد تابعین رحمہم اللہ کا دور۔

مسلمانون نے روئے زمین کی اکثر قومون کو محض اسوجہ سے اپنا مطیع بنا پایا کہ وہ شریعت اسلامی کے مقرر کردہ عدل و مساوات حقوق کے قانون پر عمل کرتے تھے چنانچہ خلیفہ اول و دوم کے عہد مین تمام ملت و مذہب کے لوگ جو مملکت اسلامی مین رہتے تھے بلا کسی استثنا یا تفاوت کے ایکسان حقوق رکھتے تھے اور ایکدوسرے پر کوئی تعدی نہین کر سکتا تھا۔

مذہب وملت سے ہی عاری ہونا چاہتی ہے ۔ آجکل مسلمانون کے دو گروہ ہو رہے
ہین ۔ ایک فریق بدعتون اور خرافات واوہام باطلہ کی پیروی کیوجہ سے ضعیف الاعتقادی
اور تنگ خیالی کے دائرہ مین گھر گیا ہے اور صحیح اسلامی تربیت وتعلیم کے مفقود
ہونے سے اُسکے اخلاق واطوار بگڑ گئے ہین ۔ دوسرا فریق جو جدید مغربی علوم
کی روشنی سے فیضیاب ۔ طبعیات وفلسفہ کا ماہر اور حالات عالم سے باخبر ہے
یہ دیکھکر کہ عام مسلمانون کے اخلاق اور عقائد اسقدر پست اور انکی معلومات
اتنی محدود ہین جس سے وہ دنیا مین کوئی ترقی کرنیکے قابل نہین رہے (معاذ اللہ)
دین ہی کو اس تمام خرابی کی وجہ تصور کرتا اور اس سے روگردان ہو کر پابندان
مذہب کا خاکہ اُڑاتا ہے ۔ مسلمان علمار کو عقلی دلائل سے اس فرقہ کے راہ راست
پر لانے اور حقائق اسلام سے باخبر بنانیکی قوت یا ملکہ نہین ۔ اور عام مسلمانون کے
طور طریق اسکی تشفی کے لئے کافی نہین ۔

غرضیکہ کچھ ایسی پیچیدگیان پڑ گئی ہین کہ اگر انکے حل کرنیکی طرف خیال نہین
کیا جاتا تو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانون کا برباد ہوجانا ایک یقینی امر ہے ۔ اہل یورپ
مشرقی ممالک مین مسلمانون کا وجود اپنے اغراض کے حصول مین حارج پاکر انکی باقیماندہ قوت
کو بھی توڑنے کے درپے ہین اور ہم خواب راحت کے مزے لے رہے ہین ۔
خدانخواستہ انکو اپنے عزائم مین کامیابی ہوگئی تو پھر پشیمانی بھی بے سود ہوگی ۔
اور اہل اسلام کا کہین تہل بیڑا نہین لگیگا ۔

ہنوز وقت ہے اور ہادیان مذہب صحیح دینی تعلیم کتاب اللہ اور حدیث صحیح کے
موافق دیکر مسلمانون کو اس ورطۂ ہلاکت سے نکال سکتے ہین جسکا بہترین ذریعہ
عربی زبان کی تکمیل اور پابندی شعائر اسلامی کی موزون تربیت ہے ۔ اسلئے کہ
مذہبی زبان کے بخوبی جاننے سے علوم دینی کے ماخذ کا سمجھنا آسان ہوگا ۔ اور جب

عام خلقت کو خوش کرنیکے واسطے بدعتوں کا رواج مسدود نہیں کیا۔ نہ امیروں کی خاطر داری
کے لحاظ سے انکے بُرے افعال پر ملامت و سرزنش کی۔ لہذا وہ لوگ اسی کمزوری کی
وجہ سے مسلمانوں کو آئندہ بربادی کے راستہ پر چلنے سے نہیں روک سکے جسکا نتیجہ یہ
ہوا ہے کہ اب اہل اسلام کو صحیح مذہبی علم حاصل کرنیکے ساتھہ دنیا کی اُن قوموں کے
دوش بدوش چلنے کی قوت نہیں رہی جو زندگی کی شاہراہ میں انکو دھکے دے دیکر
ہٹاتی اور خود آگے نکلی چلی جاتی ہیں۔

امیروں اور بادشاہوں نے علما کی اس غایب حمایت سے فائدہ اُٹھا کر قانونِ
حکومت کو اصول شریعت اسلامی کی قیدوبند سے آزاد بنالیا اور زمانۂ وحشت کی
طرح پر رعایا کے جان و مال کے بالکل مالک و مختار بن بیٹھے۔ عدل و داد اور رعایا
پروری کا کہیں نام بھی نہ رہا۔ اور آخر یہی خرابی قوم کے گلے پر کند چھری پھیر گئی۔
جسکے الم سے وہ ابتک پڑی تڑپ رہی ہے۔ اور زبان حال سے کہتی ہے ع

اینست نشانِ مادر مقتل مظلومان

نتائج کی بنا پر آخری فیصلہ

مذکورہ بالا نتائج کو پیش نظر رکھکر یہ فیصلہ صادر کرنا بالکل برمحل ہوگا کہ مسلمانونکا
مرض جانگزا ہے اور اگر جلد اسکے معالجہ اور تلافی کیطرف توجہ نہیں کیجاتی تو اس قوم کا
خدا ہی حافظ ہے۔ اسوقت بیشتر حصہ اسلامی ممالک اور قوموں کا غیروں کی فرمانبرداری
میں غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور جو ممالک اُنہی کے متقدموں کے زیر حکم ہیں
وہ بھی تنزل و انحطاط کے اثر سے متاثر ہو رہے ہیں۔ علماء اور قومی دانشمند اشخاص
کا فرض ہے کہ وہ بہت جلد اپنے فرائض کی انجام دہی پر کمر باندھیں اور خلوص کے ساتھہ
گرتی ہوئی قوم کو اُٹھانیکی سعی کریں ورنہ حکومت و ریاست پہلے جا چکی ہے۔ اب یہ لباس

احکام قرآنی پر عمل ہونے لگیگا تو جسقدر اختلافات وسط مین پیدا ہوگئے ہین خود
بخود دفع ہوجائینگے۔ اور باہمی مناقشات کا بازار سرد پڑ جائیگا۔ رہی دنیاوی
کاروبار کیضرورت اُسکے لئے معاش کے علوم کا اکتساب کرنا کچھ ممنوع نہین ہے
خاصکر اُن زبانون کا بھی سیکھنا جو دنیا کے متمدن ملکون مین بولی جاتی ہین۔ اور
کاروبار مین اُنکے نہ جاننے سے حرج ہوتا ہے۔ اور بڑی ضرورت اُنکے جاننے
کی یہ ہے کہ ہم اُن قومون کو اُنہی کی زبان مین اسلام کی تبلیغ کرسکین گے۔ اور اشاعت
دین کا ضروری فرض بھی ادا کرنیکے قابل ہون گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تمت

ارمانوسہ - ایک نہایت دلچسپ درد انگیز اور حیرتناک تاریخی عربی ناول کا ترجمہ جس میں حسن و عشق کے فرضی افسانے نہیں بلکہ سچے واقعات اور اسلامی عظمت اور جبروت کے عدیم المثال کارنامے اس خوبی سے بیان کیے گئے ہیں جسکا اندازہ بغیر پڑھے ہے یقیناً غیر ممکن ہے - قیمت دو روپیہ -

الاسلام دین الفطرت - آکسفورڈ یونیورسٹی واقع انگلستان کے عربی پروفیسر اور مصر کے نامور علامہ شیخ محمد عبد العزیز شاویش کے اس مضمون کا ترجمہ جو انہوں نے دین اسلام کی حقانیت اور اُسکے فطری مذہب ہونیکے ثبوت میں مقام الجزائر کی مشرقی علوم کی کانفرنس میں علمائے یورپ کے سامنے پڑھا تھا - اسمیں عقلی دلیلوں اور اصول تمدن جدید کے لحاظ سے اسلام کے عقاید توحید باری - نبوت کی غرض اور اُسکا ثبوت - اسلام کے اصولی احکام کی عقلی خوبیاں اور دین اسلام کا تمام دنیا کے لئے مفید اور مؤید تمدن ہونا بہت پُر زور دلایل سے ثابت کیا ہے اور ہر بات پر آیات قرآنی ہی سے استشہاد کیا ہے قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۲

اسلام اور سوشل نظام - مصر کے بہت بڑے مسلمان عالم اور اسلامی مؤرخ محمد فرید بک اعظم زادہ کے رسالہ مطالب الحیاۃ الاجتماعیۃ والاسلام کا اردو ترجمہ جسمیں مصنف ممدوح نے بہت خوبی کے ساتھ تمدن یورپ اور تمدن اسلام کا مقابلہ کرکے اسلامی تمدن کی فضیلت ثابت کی ہے - اس رسالہ کی مصر عرب شام اور ٹرکی میں دھوم مچگئی ہے ہم نے بغرض فایدہ رسانی ابنائے وطن اسکا اردو میں ترجمہ تیار کرایا ہے - اگرچہ علمی مضامین ایک طرح خشک ہوا کرتے ہیں لیکن یہہ رسالہ نہایت دلچسپ ہے - قیمت ۸ر

فتاۃ غسان - ایک زبردست حیرتناک اور نہایت دلآویز تاریخی ناول ہے جسمیں اسلام کے حالات ابتدائے ظہور سے لیکر فتوح عراق اور شام تک بڑی خوبی اور اسلوبی سے قصہ کے پیرایہ میں دکھائے گئے ہیں قیمت ہر دو حصص

تربیت اولاد - اس کتاب میں تربیت اولاد کے سبجکٹ پر ہر پہلو سے حکیمانہ بحث کی گئی ہے اور بچوں کی جسمانی اخلاقی اور روحانی غور و پرداخت کی ایسی سہل اور کارآمد ترکیبیں بتائی گئی ہیں کہ غالباً اور کسی کتاب میں نہ ہونگی - عبارت سلیس و عام فہم تاکہ خاص و عام اچھی طرح سمجھیں اور پورا فایدہ اٹھا سکیں قیمت ۱۲ر

المشتہر

منیجر اخبار وکیل امرتسر